اُصولِ تفسیر اردو
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ
المکتبۃ السلفیۃ

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (قرآن)

تصنیف

شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ

۶۶۱ھ ۔۔۔ ۷۲۸ھ

ترجمہ

مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی مرحوم

تحقیق و تعلیق

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

ناشر

المكتبة السلفية

۴۔ شیش محل روڈ ○ لاہور۔ پاکستان

نام کتاب	---------	اصول تفسیر
مصنف	---------	شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہؒ
طابع	---------	احمد شاکر
مطبع	---------	موٹروے پرنٹرز
کمپوزنگ	---------	عاقب کمپوزنگ سنٹر، لوئر مال، لاہور
طبع جدید	---------	فروری ۲۰۰۱ء
تعداد	---------	۱۰۰۰
ناشر	---------	المكتبة السلفية
قیمت	---------	۔/روپے

واحد تقسیم کار

دارالکتب السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور فون: 042-7237184

فہرست

مختصر فہرست حواشی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ط

اَلحمدُلِلّٰہِ وَسَلامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

تقریب

ساتویں صدی ہجری کے نامور مجدد اسلام شیخ الاسلام امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ کے تجدیدی کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے علمی اور اصلاحی حلقوں کی توجہ قرآن حکیم اور حدیث پاک کے مطالعہ کی طرف براہ راست موڑ دی- آپ کا یہ ایسا امتیازی وصف ہے جو ان پانچ سات صدیوں میں بہت ہی کم کسی کے حصہ میں آیا ہوگا-

جہاں تک اندازہ ہوسکا ہے آپ نے اس کے لیے تین طریقے اختیار فرمائے: ایک یہ کہ اپنے عہد کے جملہ مسائل (کلامی ہوں یا فقہی' معاشرتی ہوں یا اقتصادی وسیاسی) پر جو مباحث لکھے' اس میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو اس کثرت سے مدار استدلال بنایا ہے کہ دوسرے مروجہ طریقہ ہائے استدلال سب ہیچ ہوگئے' اور شاید پہلی دفعہ یہ حقیقت نکھر کا سامنے آئی کہ سب ہی شعبہ ہائے زندگی میں قرآن وحدیث کی راہنمائی موجود ہے- دوسرا یہ کہ قرآن حکیم کے فہم میں جہاں جہاں متکلمین' فقہاء اور بدعتی فرقوں نے ٹھوکریں کھائیں' ان مقامات کی خود تفسیر فرمائی' جس میں سب علمی وعقلی مغالطوں کے پردے چاک کردیئے- یہ تفسیری حصے آپ کی تصانیف میں بعض مباحث کے ضمن میں بھی آگئے ہیں جو نہایت اہم ہیں' لیکن بعض حصوں کو الگ بھی تحریر فرمایا ہے' مثلاً تفسیر سورہ اخلاص وغیرہ- تیسرا یہ کہ سلف کے طریق تفسیر کی وضاحت فرمائی- مخالف سلف صالحین تفسیروں کے منشا ہائے غلط امور کی نشان دہی ایسے انداز سے کی ہے' جس سے صحیح وغلط تفسیر میں امتیاز واضح ہوجاتا ہے- اس بحث کو بھی اپنی تحریروں میں خوب خوب پھیلایا ہے- مستقل طور سے زیر نظر رسالہ ''مقدمہ اصول تفسیر'' اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے-

بدعتی فرقوں کو--- پرانے طرز کے اہل بدعت ہوں یا ''نئی روشنی'' کے بدعتی--- قرآن

حکیم کو اپنے حسب منشاء استعمال کرنے میں سب سے زیادہ جو دقت پیش آتی ہے' وہ حدیث شریف کا وجود ہے- اس لیے ان کے پرانے اور نئے "محقق" ہمیشہ حدیث پاک ہی میں شک پیدا کرنے پر زور قلم صرف کرتے رہے اور نت نئے طریقے حدیث پاک پر حملے کے پیدا کرتے اور پھیلاتے رہے- حضرت امامؒ نے اپنے اس مختصر لیکن بے نظیر رسالے میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مدلل بحث فرمائی ہے اور صحیح حدیث میں شک پیدا کرنے والے باریک سے باریک شبہات کو کریدا اور نہایت کامیاب طریقہ پر ان کا حل کیا ہے- اس کے علاوہ بھی ہر طبقہ کے اصحاب تفسیر کو اصول تفسیر میں جو الجھنیں پیش آتی رہی ہیں' ان کو نہایت عمدگی سے سلجھا دیا ہے-

اس رسالے کے مختلف اجزاء متفرق طور پر کتابوں میں ملتے تھے[1] لیکن مستقل تالیف کا پتہ نہ چلتا تھا- اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دمشق کے ایک حنبلی عالم استاد محمد جمیل کو ۱۲۷۱ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ ملا جسے انہوں نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کر دیا-

آئندہ صفحات میں جو ترجمہ ہے' وہ اسی مطبوعہ رسالے کا ہے' ترجمہ کے لیے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا نام نامی کافی ضمانت ہے- آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت امامؒ کی تصانیف کے تراجم کا جو سلیقہ عطا فرمایا تھا' وہ انہی کا حصہ تھا' اور پھر خوبی یہ کہ آپ کے تراجم کو برصغیر میں حسن قبول حاصل ہے-

احقر نے اس پر مزید یہ کام کیا ہے کہ:

(۱) آیات قرآنی کے اعراب لگائے' ان کے تراجم لکھے اور حوالے درج کیے-

(۲) احادیث کے بھی حوالے لکھے-

(۳) حضرت امامؒ نے اس رسالے کے بعض مباحث میں اختصار سے کام لیا ہے جب کہ اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تفصیل فرما دی ہے- از بس کہ بعض اجمال غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا سبب ہو سکتے ہیں اس لیے اور بعض دیگر وجوہ سے احقر نے ضروری مقامات پر حاشیہ میں تفصیل درج کر دی ہے-

(۴) تابعین' تبع تابعین' ائمہ' فقہاء' محدثین' متکلمین اور معتزلہ وغیرہ فرقوں کے جہاں نام آئے ہیں' ان کا بہت ہی مختصر سا تعارف حاشیہ پر کرا دیا گیا ہے' تا کہ اردو دان طبقہ کے لیے مفید

۱- مثلاً تفسیر ابن کثیر ص ۳-۱۵ الاتقان ص ۷۶- ۱۷۸ و ۱۸۹ ج ۲ اور توجیہ النظر از طاہر جزائری ص ۱۳۳-- ۱۳۵' ۱۳۶-

ہو سکے۔

(۵) اس ضمن میں بعض استطرادی فوائد بھی زبان قلم پر آ گئے ہیں، جو موقعہ کی مناسبت سے فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ امید ہے اصحاب ذوق انہیں پسند فرمائیں گے۔

(۶) سہولت کے لیے ہر بحث پر عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ طبع میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

دعا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن وحدیث کے صحیح فہم اور ان پر عمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔

وعلیک التکلان!

خادم العلم والعلماء

احقر ابو الطیب

محمد عطاء اللہ حنیف اثری بھوجیانی ۔ عفا اللہ عنہ

۲۷/رجب ۱۳۷۴ھ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ط

دیباچہ از مترجم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے ان گنت احسانوں میں سے یہ رسالہ بہت بڑا احسان ہے۔ گنتی کے ان چند صفحوں میں علوم کے خزانے سمیٹ دیے ہیں' اور امت کو بتادیا ہے کہ کتاب اللہ کو کس طرح سمجھنا چاہئے' اور کتاب اللہ کی کس طرح تفسیر کرنا چاہئے۔

مسلمانوں کی ایک بدنصیبی یہ بھی ہوئی کہ کتاب اللہ کو ہدایت نامہ سمجھنے کی جگہ اسے بحث و جدل' علمی ورزش اور اظہار قابلیت کا ذریعہ بنایا گیا۔ تفسیروں کے انبار لگ گئے اور ان تفسیروں نے کتاب اللہ پر پردے ڈال دیے۔

پرانے وقتوں میں یونانی فلسفے' ایرانی اوہام اور ہندی تصوف کے جال پھیلے ہوئے تھے۔ موجودہ زمانے میں یورپ کی ذہنی غلامی نے عقلوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور یورپ کی خرافات کو بھی حقائق سمجھ لیا گیا ہے۔ کتاب اللہ کو توڑ مروڑ کر یورپین نظریوں پر منطبق کرنے کا ایک جنون پھیلا ہوا ہے۔ کوئی ڈارون کی تھیوری' قرآن سے ثابت کرتا ہے اور کوئی انشٹائن کے نظریے کو قرآن پر چسپاں کرتا ہے۔ حالاں کہ کتاب اللہ کا مقام اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ اسے انسانی تخیلات کا تابع بنا جائے۔ کتاب اللہ نہ عقلیات کی کتاب ہے' نہ سائنس میں دخل دیتی ہے۔ وہ تو انسانی ہدایت کے لیے آئی ہے اور اس سے کھیلنا نہیں بلکہ ہدایت حاصل کرنا چاہئے تھا۔ قرآن عقل سلیم کے عین مطابق ہے' لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ علماء یورپ کے جملہ نظریات و اوہام کی کسوٹی پر بھی پورا اترے۔

تفسیر میں گمراہی کا اصلی سبب اس بنیادی حقیقت کو بھول جانا ہے کہ قرآن کے مطالب وہی ہیں' جو اس کے مخاطب اول نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ قرآن' محمد ﷺ پر نازل ہوا' اور قرآن بس وہی ہے جو محمد ﷺ نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے' یا تو علمی' روحانی نکتے ہیں' جو قلب مومن پر القا ہوں اور یا پھر اقوال و آراء ہیں۔ اٹکل پچو باتیں ہیں' جن کے محتمل قرآنی لفظ کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ باتیں قرآن سے مقصود نہیں

ہیں-قرآنی مقصود صرف وہی ہے، جو رسولؐ نے سمجھا اور سمجھایا ہے- دوسری کسی بات کو مقصود قرآنی کہنا، ظلم وزیادتی ہے اور افتراء علی اللہ-

بے شک قرآن، عربی زبان میں اترا ہے، مگر کیا ہر وہ شخص تفسیر کر سکتا ہے، جو عربی زبان کا عالم ہے؟ اس طرح کی بات کوئی مجنون یا جاہل ہی کہہ سکتا ہے-تفسیر کے لیے محض عربی لغت کا علم کافی نہیں ضروری ہے کہ وہ ماحول بھی سامنے ہو، جس میں قرآن اترتا تھا، کیونکہ ماحول کی تبدیلی سے لفظوں کے مدلول ومنشاء میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں- اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ اسلامی اصطلاحوں پر عبور ہو، اسلامی روح سے کما حقہ واقفیت ہو، لیکن اس سب کے بعد بھی تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی، جب تک رسول خدا ﷺ کی جناب سے حاصل نہ کی جائے، کیونکہ قرآن کے تنہا شارح اور مفسر رسول خدا ہی ہیں- کوئی دوسرا نہیں-

شیخ الاسلام نے یہ بھولی ہوئی بنیادی حقیقت بڑی خوبی سے یاد دلا دی ہے، اور وہ تمام اصول بیان کر دیے ہیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کے لیے ضروری ہیں-

فجزاہ اللہ عن المسلمین خیر الجزاء

عبدالرزاق ملیح آبادی

جنوری ۱۹۵۲ء

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

رب یسر و اعن برحمتک

پروردگار! آسانی بخش، اور اپنی رحمت سے اعانت فرما۔

خطبہ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادي له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله صلى الله عليه وسلم تسليما.

''تعریف خدا ہی کے لیے ہے، اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں، اسی سے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں، اور خدا ہی سے مانگتے ہیں پناہ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جسے خدا ہدایت بخشتا ہے، اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں، اور جس کے حق میں گمراہی مقدر ہو چکی ہے، اسے راہ ہدایت دکھانے والا کوئی نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی ساجھی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد:

وجہ تالیف:

بعض احباب نے مجھ سے درخواست کی کہ ایک ایسا مقدمہ لکھدوں، جو قواعد کلیہ پر حاوی ہو، قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر و معانی کی معرفت میں معین ہو، اس بارے میں منقول و معقول، حق و باطل کی تمیز کرنے والا اور قیل و قال میں فیصلہ کن، دلیل کی راہ دکھانے والا ہو۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ کتب تفسیر میں رطب و یابس کی بھرمار ہے۔ کھلا ہوا باطل بھی موجود ہے اور روشن حق بھی۔

علم صحیح کی دو قسمیں:

علم دو ہی طرح کا ہے: یا تو نبی کی طرف سے سچی روایت کے ساتھ منقول ہو، یا دلیل معلوم

اس کی پشت پناہی کر رہی ہو- ان دونوں قسموں کے علاوہ جو کچھ ہے' کھوٹا سکہ ہے اور پھینک دیے جانے کے لائق' اور یا پھر ایسی چیز ہوگی جس کے کھرے کھوٹے ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا-

قرآن کے فضائل اور اس کے سمجھنے کی ضرورت:

امت کے لیے فہم قرآن ازبس ضروری ہے کہ "قرآن ہی خدا کی مضبوط رسی ہے- وہی ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے- اس میں نہ خواہشیں کچھ پیدا کر سکتی ہیں نہ زبانیں شک ڈال سکتی ہیں- بار بار دہرانے سے وہ پرانا نہیں ہوتا- اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے کے نہیں- علماء کو اس سے کبھی سیری نہیں ہو سکتی- جو کوئی اس کے بموجب کہتا ہے' سچ کہتا ہے۔ جو کوئی اس پر چلتا ہے' اجر پاتا ہے۔ جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے' عدل برتتا ہے- جو کوئی اس کی طرف بلاتا ہے' صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے- جو کوئی سرکشی سے اسے چھوڑ دیتا ہے' خدا اسے ہلاک کر ڈالتا ہے اور جو کوئی اس سے روگرانی کر کے ہدایت چاہتا ہے' خدا اسے گمراہی کے حوالے کر دیتا ہے"(۱) فرمایا:

> **فاما یاتینکم منی ھدی فمن اتبع ھدای فلا یضل و لا یشقی' و من اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکاو نحشرہ یوم القیامة اعمی' قال رب لم حشرتنی اعمی و قد کنت بصیرا' قال کذلک اتتک ایاتنا فنسیتھا و کذلک الیوم تنسیo** (سورۃ طٰہٰ ۱۲۳-۱۲۵)
>
> "پھر اگر پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت' پھر جو چلا میری راہ بتلائی پر' نہ وہ بہکے گا' اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا' اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے' تو اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی' اور لائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا- وہ کہے گا اے رب! کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا' اور میں تو تھا دیکھنے والا' فرمائے گا' یوں ہی پہنچی تھی تجھ کو ہماری آیتیں' پھر تو نے ان کو بھلا دیا' اور اسی طرح آج تجھ کو (ہم) بھلائیں گے"

اور فرمایا:

۱- والدین کے درمیان ایک حدیث کا ترجمہ ہے جو مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں ہے- اخرجه الترمذی وفی سندہ الحارث الا عور وفیه مقال مشھور- (ع-ح)

قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ٥ (المائدہ ۱۶:۳)

"بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی' جس سے اللہ دکھاتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا' سلامتی کی راہیں' اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں' اپنے حکم سے' اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ پر۔"

اور فرمایا:

الٓرٰ كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِه اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (سورۂ ابراھیم)

"یہ ایک کتاب ہے' جسے ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف' تاکہ تم نکالو لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف ان کے رب کے حکم سے زبردست خوبیوں والے کی راہ کی طرف' وہ اللہ جس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔"

اور فرمایا:

وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدرى ما الكتاب و لا الايمان و لكن جعلناه نورا نهدى به من نشاء من عبادنا و انك لتهدى الى صراط مستقيم. صراط الذى له ما فى السموات و ما فى الارض الا الى الله تصير الامور٥ (الشوریٰ:۵۳)

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تمہاری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے تم نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ کیا ہے ایمان لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی' اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں سے اور بے شک تم سجھاتے ہو سیدھی راہ' راہ اللہ کی' اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں' دیکھو اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام"

پس میں نے خدا کی بخشی ہوئی توفیق سے محض یادداشت پر یہ مختصر مقدمہ لکھ دیا ہے۔ واللہ الهادى الى سبيل الرشاد (اور خدا ہی راہ راست کی طرف راہ دکھانے والا ہے)

فصل (۱)

آنحضرت ﷺ نے تفسیر بھی سکھائی:

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو جس طرح قرآن کے لفظ بتائے، اسی طرح قرآن کے معانی بھی بتائے ہیں، کیونکہ آیت "لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ" (النحل: ۶۴[1]) کے حکم میں یہ دونوں باتیں داخل ہیں۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی[2] کا قول ہے کہ جن لوگوں نے ہمیں قرآن پڑھایا، مثلاً عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے وہ ہم سے کہتے تھے کہ "جب ہم نبی ﷺ سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کر چکے تھے، تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، جب تک ان آیتوں کا علم و عمل مکمل نہ کر لیں۔ اس طرح ہم نے علم و عمل، دونوں کی تعلیم حاصل کی" [3]

یہی وہ ہے کہ ایک ایک سورت کے حفظ میں ان بزرگوں کو ایک مدت لگ جایا کرتی تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ فرمایا کرتے تھے "ہمارا کوئی آدمی جب سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا تھا، تو ہماری نگاہوں میں بڑا بن جاتا تھا" (مسند احمد) اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سورۂ بقرہ کے حفظ میں کئی سال لگ گئے تھے۔ امام مالکؒ کے موطا میں ہے کہ آٹھ سال لگے تھے۔

نبی ﷺ کا صحابہ کو معانی قرآن کی تعلیم دینا ان آیات سے بھی ثابت ہے:

۱- تاکہ بیان کرو تم اس کتاب کو جو لوگوں کے لیے نازل کی گئی ان کی طرف (ع-ح)

۲- ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمی الکوفی۔ مشہور تابعی، ۴۰ سال تک مسجد میں بیٹھ کر قرآن پڑھایا کیے۔ ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۴ جلد ۵) ایک صوفی ابوعبدالرحمٰن سلمی ہے جس کا ذکر آئندہ صفحہ ۸۶ پر آئے گا۔

۳- تفسیر ابن جریر ص ۳۶ ج ا طبع مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ (ص ۲۹/۲۳)

''یہ کتاب ہے مبارک جسے ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے' تا کہ یہ لوگ اس کی آیات کو سوچیں''

اور

افلا یتدبرون القران (محمد ۲۴.۳)

''یہ لوگ قران میں غور کیوں نہیں کرتے؟''

اور

افلم یدبروا القول (مومنون ۶۸/۴)

''کیا انہوں نے بات پر غور نہیں کیا؟''

اور ظاہر ہے کہ فہم و تدبر ممکن ہی نہیں جب تک بات کے معنی نہ سمجھے جائیں- اسی طرح فرمایا:

ان انزلنا ہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون- (الزخرف-۱/۲)

''ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے- تا کہ تم لوگ سمجھو!

اور بات عقل میں کیسے آ سکتی ہے' جب تک سمجھی نہ جائے!

پھر معلوم ہے کہ ہر گفتگو اسی لیے ہوتی ہے کہ اس کے معنی سمجھے جائیں نہ کہ محض لفظ سن لیے جائیں' اور قرآن کا معاملہ تو بدرجہ اولیٰ فہم و تدبر کا متقاضی ہے- ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ لوگ کسی فن کی کتاب پڑھیں' مثلاً طب کی یا حساب کی اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کریں- جب عام کتابوں کا یہ حال ہے تو کتاب اللہ کا فہم کس قدر ضروری ٹھہرتا ہے' وہ کتاب اللہ جو مسلمانوں کے لیے اصلی بچاؤ ہے' جس میں ان کی نجات و سعادت ہے' جس سے ان کے دین و دنیا کا قیام ہے-

تفسیر میں صحابہ رض کا اختلاف کم ہے

یہی سبب ہے کہ تفسیر قرآن مین صحابہ رض کا اختلاف بہت ہی کم ملتا ہے- تابعین میں اگرچہ صحابہ سے زیادہ اختلاف ہے' لیکن بعد والوں کے مقابلے میں پھر بھی کہیں کم ہے- ہر بہتر زمانے میں اتفاق و ہم آہنگی اور علم و بیان زیادہ ہی پاؤ گے-

تفسیر میں حضرت مجاہدؒ کا پایہ

تابعین میں ایسے لوگ بھی تھے، جنہوں نے پوری تفسیر صحابہؓ سے حاصل کی تھی- مجاہدؒ کہتے ہیں میں نے مصحف قرآنی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے پیش کر دیا- ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور ان سے مطلب سمجھتا تا-" اسی لیے امام سفیان ثوری [1] فرمایا کرتے تھے- جب تمہیں تفسیر مجاہدؒ" [2] سے پہنچے، تو بس بالکل کافی ہے [3] اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی [4] اور امام بخاریؒ [5] وغیرہ مجاہدؒ کی تفسیر پر بھروسہ کرتے ہیں- اسی طرح امام [6] احمدؒ وغیرہ جنہوں نے تفسیریں مرتب کی ہیں، دوسروں کے مقابلے میں مجاہدؒ سے زیادہ روایت کرتے ہیں-

تفسیر تابعین کی حیثیت

غرض کہنے کی یہ ہے کہ تابعین نے تفسیر بھی اسی طرح صحابہؓ سے حاصل کی ہے، جس طرح علم سنت ان سے پایا ہے، اگرچہ تابعین نے جس طرح استنباط واستدلال کی راہ سے بعض سنتوں پر گفتگو کی ہے، اسی طرح استنباط واستدلال کی غرض سے کسی کسی تفسیر میں بھی وہ گفتگو کرتے ہیں-

---

۱- سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ) مشہور اور جلیل القدر تابعی ہیں (تہذیب ص ۱۱۱-۱۱۵ جلد ۴-

۲- مجاہد بن جبیر المکی (۱۰۰ھ) مشہور تابعی اور ثقہ ہیں- حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تیں مرتبہ قرآن سنایا- امام اعمشؒ سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کی تفسیر سے اس بنا پر احتراز کرتے تھے کہ یہ اہل کتاب سے اخذ کرتے ہیں- (تہذیب ص ۴۳ ج ۱۰) لیکن اس سے ان کے ثقہ ہونے پر اثر نہیں پڑتا نہ ان کے صدق میں کسی کو شبہ ہے-(ع-ح)

۳- تفسیر ابن جریر ص ۴۰ جلد ۱

۴- امام محمد بن ادریس الشافعیؒ شافعی کتب فکر کے مقتدا علم اصول فقہ کی تدوین کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی- وفات ۱۵۰ھ-

۵- امام الفقہاء المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ، قرآن حکیم کے بعد سب سے صحیح کتاب "صحیح بخاری" کے جامع جس میں ایک حصہ تفسیر کا بھی ہے- ایک بڑی تفسیر بھی آپ نے لکھی- وفات ۲۵۶ھ-

۶- امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ وفات ۲۴۱ھ

فصل (۲)

تفسیر سلف میں اختلاف کی کمیت و کیفیت

سلف کے مابین تفسیر میں اختلاف کم ہوا ہے- احکام میں تفسیر سے زیادہ اختلاف صحیح طور پر ان سے مروی ہے' تنوع کا ہے نہ کہ تضاد کا' اور یہ اختلاف دو قسم کا ہے:

ایک یہ کہ ایک بزرگ نے مطلب ظاہر کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں' جو دوسرے شخص کے الفاظ سے مختلف ہیں اور مطلب کے اس حصے پر دلالت کرتے ہیں' جس پر دوسرے کے لفظ دلالت نہیں کرتے' مگر دونوں کے الفاظ کا مسمیٰ ایک ہی ہے- اس کی مثال ایسے اسماء کی ہے جو ایک ہی مسمیٰ کے نام ہیں' مگر مسمیٰ کی مختلف صفات کو ظاہر کرتے ہیں جیسے سیف' صارم' مہند تینوں نام تلوار ہی کے ہیں' مگر تلوار کی مختلف صنعتوں کا اظہار کرتے ہیں- یہی معاملہ خدا کے اسمائے حسنیٰ اور رسول خدا ﷺ کے اسمائے محمودہ کا ہے کہ اسماء کا مسمیٰ ایک ہی ہے' اسمائے الٰہی میں سے جس اسم کے ساتھ چاہیے دعا کیجئے ایک ہی ذات مقدس سے دعا ہوگی- ایک نام سے دعاء دوسرے نام سے دعا کے مخالف نہ ہوگی- خدا فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى-
(بنی اسرائیل ۱۲-۱۱)

"کہہ دو! (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر' جو کہہ کر پکارو گے تو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں-"

خدا کا ہر نام اس کی ذات پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس کی کسی خاص صفت پر بھی- مثلاً علیم' ذات الٰہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور صفت علم پر بھی- اسی طرح قدیر کی دلالت' ذات اقدس پر بھی ہے اور قدرت پر بھی- اسی طرح رحیم ذات برتر کو بھی ظاہر کرتا ہے اور صفت رحمت کو بھی-

مذہب ظاہری کے جن مدعیوں نے کہا ہے کہ اسمائے الٰہی' صفات الٰہی پر دلالت نہیں

کرتے' تو ان کا یہ مسلک حقیقت میں باطنی فرقوں' [۱] قرامطہ وغیرہ کے اقوال کی قبیل سے ہے' جو کہتے ہیں کہ خدا کو نہ حی کہنا چاہیے اور نہ یہ کہنا چاہیے کہ حی نہیں ہے- وہ خدا سے دونوں نقیضوں کی نفی کرتے ہیں- یہ قرامطہ بھی خود اسمائے الٰہی کے منکر نہیں ہیں- انہیں تسلیم کرتے ہیں' مگر ضمیروں کی طرح محض علم قرار دیتے ہیں' اور ان سے ثابت ہونے والی صفات کے منکر ہیں-

بنا بریں مذہب ظاہری میں اپنے دعوائے غلو کے باوجود جو لوگ یہاں وہی بات کہتے اور مانتے ہیں' جس کے قائل یہ قرامطہ باطنیہ ہیں تو اس بارے میں وہ بھی قرامطہ باطنیہ کے ہمنوا و ہم مسلک بن جاتے ہیں [۲] -مگر یہ موقعہ اس بحث کا نہیں- مقصود یہ کہنا ہے کہ اسمائے الٰہی میں سے ہر اسم' ذات الٰہی پر بھی دلالت کرتا ہے' اور اس صفت پر بھی' جو اس سے سمجھی جاتی ہے' نیز بطریق لزوم دوسرے اسم کی صفت پر بھی دلالت کرتا ہے-

یہی حال نبی ﷺ کے اسمائے شریفہ کا ہے' مثلاً محمدؐ' احمد' ماحی' حاشر' عاقب' اور یہی حال اسمائے قرآن کا ہے' مثلاً قرآن' فرقان' ہدیٰ' شفا' بیان' کتاب وغیرہ- اب اگر کہا جائے کہ مسمیٰ متعین ہونا چاہیے تو جواب میں ہم ہر اسم کو استعمال کر سکتے ہیں اگر سائل اس اسم کے مسمیٰ سے واقف ہے-

اسم کبھی علم ہوتا ہے اور کبھی صفت' مثلاً سائل سوال کرتا ہے کہ ارشاد خداوندی "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ" میں ذکر کیا چیز ہے؟ تو ہم جواب دیں گے' ذکر' قرآن ہے یا خدا کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں یہ اس لیے کہ ذکر مصدر ہے اور کی اضافت کبھی فاعل کی طرف ہوتی ہے

۱- باطنیہ' اسماعیلیہ' قرامطہ وغیرہ مختلف ناموں سے ایک شیعوں کا غالی فرقہ مراد ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیعہ فرقہ کو بھی ان سے کچھ نسبت نہیں ہے- یہ تیسری صدی ہجری میں عباسیوں کے دور حکومت کی پیداوار ہے- مجوسیت' یہودیت اور یونانی فلسفہ کا معجون مرکب ہے- تفصیل کے لیے دیکھیے "ملل والنحل شہرستانی طبع جدید ص- ۳۳۳ ج ۱-

۲- غالباً یہ اشارہ حافظ ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) کی طرف ہے- کیونکہ مصنف علام کی رائے میں مسئلہ صفات میں ان کا مسلک صحت و صواب سے ہٹا ہوا ہے- منہاج السنہ (۲۵۱-۲۵۲ ج ۱) میں اس پر تفصیل سے لیکن معقول اور سنجیدہ رد کرتے ہوئے ان کی طرف سے عذر بھی بیان فرمایا ہے کہ:

فانہ من نفاۃ الصفات مع تعظیمہ للحدیث والسنۃ والامام احمد وغلط فی ذلک بسبب انہ اخذ شیئا من اقوال الفلاسفۃ والمعتزلۃ عن بعض شیوخہ ولم یتفق من بین لہ خطاھم ا ھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور کبھی مفعول کی طرف۔مفعول کی طرف اضافت مراد لی جائے' تو ذکر سے مراد وہ لفظ ہوں گے' جن کے ذریعہ آدمی' خدا کو یاد کرتا ہے' جیسے یہ لفظ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) (ابن حزم) ''صفات باری کی نفی کرنے والوں سے ہیں' حالانکہ حدیث وسنت اور امام احمد وغیرہ کی بڑی عظمت کرتے ہیں' ان کی اس غلطی کا باعث یہ ہے کہ اپنے بعض اساتذہ سے یونانی فلاسفہ اور معتزلہ کے اقوال ان کو ملے' جن سے وہ متاثر ہو گئے' اور ان کی خرابیاں ان پر واضح نہ ہو سکیں۔موقع کی مناسبت سے راقم عرض کرتا ہے کہ فلسفہ یونانی اور اس کے شاگردوں (معتزلہ) سے (مسئلہ صفات الٰہی وغیرہ میں) صرف حافظ ابن حزمؒ ہی متاثر نہیں ہیں' بلکہ بہت دوسرے متاخرین بھی ہیں۔ان میں بعض ایسے فضلاء بھی ہیں کہ تفسیر و حدیث میں ان کی خدمات گراں قدر اور شاندار ہیں' لیکن ان نصوص صریحہ میں جن میں صفات باری تعالیٰ وغیرہ کا ذکر ہے' تاویلات کا ارتکاب کرتے ہیں' بلکہ بعض وقت صحیح بخاری کی مسلمہ امت صحیح حدیث کی صحت میں تشکیک پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔مثال میں امام رازیؒ اور امام غزالیؒ کا نام پیش کیا جا سکتا ہے اور کچھ ایسی ہی کیفیت ہمارے زمانے کے بعض مفسرین کی ہے۔دیکھئے مصر کے علامہ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد علامہ رشید رضا کی مصر میں ان کی اصلاحی اور سیاسی مساعی بڑی قابل قدر ہیں' اور آخر الذکر تو سلفیت کے بھی شیدا معلوم ہوتے ہیں' لیکن فلسفہ جدیدہ اور اس کے شاگردوں (مستشرقین وغیرہم) سے شدید طور پر متاثر ہیں۔اور افسوس کہ ان کی تفسیر 'المنار'' کافی حد تک مفید ہونے کے باوجود صحابہ و تابعین وائمہ سلف کے مسلک سے ناآشناؤں کے لیے مضر بھی ہے۔مسئلہ حیات مسیحؑ احادیث دجال پر تنقید' سود کی بحث ''طیرا ابابیل'' کی تفسیر وغیرہ ان امور میں فلسفہ حاضرہ سے شعوری یا غیر شعوری تاثر کی وجہ سے ان کے قلم سے حق کے خلاف سرزد ہو گیا ہے۔عفا اللہ عنا وعنہم۔ اور یہ بات واقعہ کے سراسر خلاف ہے (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے) کہ تفسیر المنار' امام ابن جریرؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے طرز تفسیر پر ہے۔
اسی قسم کے خدشہ کا اظہار مصر ہی کے ایک اہل حدیث عالم علامہ محمد منیر دمشقیؒ نے بھی فرمایا ہے' جو علامہ محمد عبدہ کے مدرسہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں (استاذ شاگرد) کے مداح بھی ہیں۔تفسیر مذکور کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ فتح لغیرہ بابا واسعا من ملحدی زماننا فی ذلک وھذا لسنن الغیر المشروعة (انموذج من الاعمال الخیریة ص۳۰۲) (ہمارے زمانے کے ملحدین کے لیے اس تفسیر نے (تاویل وتحریف کا دروازہ کھول دیا ہے اور یہ نامناسب طریقہ ہے) پھر اس کی چند مثالیں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہاں استقصاء مقصود نہیں اس کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت ہے:

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ -اور فاعل کی طرف اضافت مانی جائے' تو ذکر سے مراد' خود خدا کی جانب سے ذکر ہوگا' اور یہ ذکر' خدا کا کلام ہے- آیت "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ" میں یہی مراد ہے کیونکہ اس سے قبل فرماچکا ہے "فَاَمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی" (طہ) اور معلوم ہے' خدا کی ہدایت' اس کا اتارا ہوا ذکر ہی ہے' اور یہ اس لیے بھی کہ اس کے بعد ہی فرمادیا ہے- "قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا قَالَ کَذٰلِکَ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) بل اردت بیان ماعن بخاطری من سنین ورایته خلاف الصواب مع الکباب اهل هذا العصر علیه بدون تمییز بین غثه وسمینه فکل قول یوخذ منه ویرد الاقول صاحب الشریعة (انموذ ص۳۰۴)

"بلکہ مقصد ان چند باتوں کی نشان دہی ہے جو کئی سال سے غلط ہونے کی وجہ سے کھٹک رہے تھے' باوجودیکہ لوگ اس پر گرے پڑتے ہیں اور غلط صحیح میں کچھ امتیاز نہیں کرتے' اور یاد رہے آنحضرت ﷺ کے سوا ہر شخص کا قول قابل رد وقبول ہے-"

علامہ محمد منیر دمشقی نے اس تبصرے میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ کیوں ان کو ایسے تبصرے کی ضرورت پڑی- حقیقت یہ ہے کہ مصر وغیرہ (اور اب پاکستان میں بعض کج رو لوگ اپنا الحاد پھیلانے کے لیے ایسی ہی تفسیروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں' اور بہت سے سادہ لوح اسی "تحقیق" سے دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں جس میں میٹھے اور غیر محسوس زہر کی آمیزش ہوتی ہے-

اور یہ صورت کچھ اب ہی سامنے نہیں آرہی ہے بلکہ نویں صدی میں بعض زیدی معتزلہ نے جب حدیث و اہل حدیث کے خلاف طوفان بپا کیا تو یہی طریقہ انہوں نے بھی اختیار کیا تھا' چنانچہ اس کے جواب میں اس وقت کے ایک محقق اہل حدیث بزرگ' علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر (متوفی ۸۴۰ھ) کو لکھنا پڑا کہ تاویلات کا یہ پلندا جو بعض اہل حدیث میں بھی پایا جاتا ہے- فمن فیض علومکم هذا التی افتخرتم بممارستها (یہ سب تمہارے (معتزلہ) ہی علوم کے "فیض" کا اثر ہے جن پر تم پھولے نہیں سماتے)

بعدہ فرمایا: ومن بقی منهم علی ماکان علیه السلف الصالح سلم من جمیع ما حدث من التعمق فی الانظار اه (الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم ص۹- ج۲) (اور جو اہل حدیث سلف صالح کے طریق پر کار بند رہے وہ اس قسم کی موشگافیوں کی بدعات سے الگ تھلگ رہے)-

اَتَتکَ اٰیٰاتُنَا فَنَسِیْتَهَا -"[۱] غرض کہ سائل کا مقصود یہ جاننا ہے کہ ذکر الٰہی خدا کا اتارا ہوا ذکر ہے یا بندے کی طرف سے خدا کا ذکر ہے تو اب خدا کا ارشاد کہ میرا ذکر میری کتاب میری ہدایت تو ان سب اسماء کا مسمیٰ ایک ہی رہے گا' لیکن اگر سائل کا مقصود وہ خاص صفت جاننا ہو' جو اس اسم کے ساتھ خاص ہے' مثلاً سائل جانتا ہے کہ القدوس (بہت پاک) السلام (سلامتی والا) المومن (امن دینے والا) سے مراد' خدا تعالیٰ کی ذات ہے' لیکن پوچھتا ہے کہ خدا کے القدوس السلام المومن ہونے کے کیا معنی ہیں؟ تو مسمی متعین کرنے سے زیادہ ہمیں کچھ کہنا ہوگا۔

سلف کا طریق تفسیر

یہ اصل واضح ہو جانے کے بعد سمجھ لینا چاہیے کہ سلف بار ہا یہ کرتے ہیں کہ مسمی کا بیان ایسی عبارت سے کر جاتے ہیں جو بعینہ ذات مسمیٰ پر دلالت کرتی ہے' اگر چہ اس سے ایسی صفت کا اظہار بھی ہوتا ہے' جو دوسرے اسم میں نہیں ہوتی' جیسے وہ کہیں کہ احمد' حاشر ہیں' ماحی ہیں' عاقب ہیں' اور قدوس وہ ہے جو غفور رحیم ہے ایسے موقع پر سلف کا مقصد یہ دکھانا ہوتا ہے کہ مسمی تو ایک ہی ہے' مگر دونوں صفتیں ایک نہیں ہیں' اور معلوم ہے کہ یہ اختلاف' تضاد کا اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ بعض لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں۔

"صراطِ مستقیم" کی تفسیر

اس کی ایک اور مثال سنو۔ صراط مستقیم کی تفسیر میں بعض سلف نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے۔ یہ قول نبی ﷺ کے اس ارشاد کی پیروی میں ہے' جو ترمذی اور ابو نعیم میں متعدد طرق سے مروی حدیث علیؓ میں موجود ہے کہ فرمایا "قرآن' حبل اللہ المتین ہے' ذکر حکیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔"[۲] یہ تفسیرِ بعض سلف کی ہے' لیکن بعض دوسرے بزرگان سلف کا قول ہے کہ صراط مستقیم' اسلام ہے' اور یہ قول' نواس بن سمعانؓ کی اس حدیث کے تتبع میں ہے جو سنن ترمذی وغیرہ میں آئی ہے' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ "خدا نے صراط مستقیم کی یہ مثال دی ہے کہ صراط کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں اور دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں' اور دروازوں پر

۱- اس آیت کا جس کے ٹکڑے یہاں ذکر ہوئے ہیں' ترجمہ صفحہ ۱۴ پر گذر چکا ہے۔

۲- مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۶' باب فضائل القرآن۔

پردے چھٹے ہوئے ہیں- ایک منادی' صراط کے اوپر سے پکار رہا ہے اور دوسرا منادی' صراط کے سرے پر سے پکار رہا ہے-" فرمایا" تو صراط مستقیم اسلام ہے اور دیواریں حدود الٰہی ہیں اور کھلے ہوئے دروازے' محارم الٰہی ہیں' اور صراط کے سرے کا منادی' کتاب اللہ ہے' اور صراط پر کا منادی' قلب مومن میں واعظ الٰہی (ضمیر) ہے-"[1]

دیکھو' صراط مستقیم کی یہ دونوں تفسیریں ظاہر میں مختلف معلوم ہوتی ہیں' لیکن حقیقت میں مختلف نہیں بلکہ متفق ہیں' ایک ہیں' کیونکہ دین اسلام اتباع قرآن ہی کا دوسرا نام ہے' لیکن ہوا یہ کہ ہر مفسر نے ایسے وصف کی طرف اشارہ کیا' جو دوسرے کے وصف سے الگ تھا- پھر لفظ صراط' تیسرے وصف کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے-

اسی طرح صراط مستقیم کی تفسیر' سنت و جماعت سے' طریق عبودیت سے طاعت اللہ والرسول وغیرہ سے بھی کی گئی ہے' مگر یہ سب لفظ ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں- ان مفسروں میں کوئی اختلاف نہیں- ہر ایک نے کسی ایک صفت کو بیان کیا ہے-

اختلاف کی ایک اور نوعیت

اختلاف کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہر مفسر اسم عام کی کسی ایک نوع کا مثال کے طور پر تذکرہ کر دیتا ہے تاکہ سامع کا ذہن' پوری نوع کی طرف منتقل ہو جائے' اور یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس نوع کی جامع مانع تعریف کی جائے' مثلاً ایک عربی زبان سے ناواقف عجمی آدمی سوال کرتا ہے کہ خبز کیا ہے؟ اور جواب میں ایک روٹی دکھا کر بتا دیا جاتا ہے کہ خبز یہ ہے- ظاہر ہے اس طرح اشارہ' روٹی کی پوری نوع کی طرف ہوتا ہے- نہ کہ ہاتھ میں اٹھائی ہوئی اس ایک روٹی کی طرف-

بعض اور الفاظ کی تفسیر اور مختلف اقوال میں تطابق

اس کی مثال اس آیت کریمہ کی تفسیر سے سمجھ میں آ جائے گی:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ- (الفاطر۴:۳۲)

"پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے' پھر کوئی ان سے برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان سے ہے بیچ کی راہ پر' اور کوئی ان میں

۱- مشکوٰۃ صفحہ ۳۱- باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بحوالہ مسند احمد و بیہقی-

آگے بڑھ گیا ہے نیکیوں میں۔"

اب ظاہر ہے کہ ظَـالِمٌ لِنَفْسِهٖ میں واجبات کا ضائع کرنے والا اور محرمات کا مرتکب بھی داخل ہے۔ اسی طرح مقتصد کے مفہوم میں واجبات کا پابند اور منہیات سے مجتنب بھی داخل ہے۔ اسی طرح سابق میں وہ بھی داخل ہے جس نے سبقت کر کے واجبات کے ساتھ حسنات کے ذریعہ بھی قربت الٰہی حاصل کی ہے۔

اب مفسر، حسنات وطاعات میں سے کسی ایک نوع کا ذکر کر دیتا ہے، مثلاً کہتا ہے، سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز ادا کرتا ہے، اور مقتصد وہ ہے جو اثنائے وقت میں نماز پڑھتا ہے اور ظالم لنسفہ وہ ہے جو صلاۃ عصر میں آفتاب کے اصفرار تک تاخیر کر دیتا ہے۔

یا مثلاً مفسر کہتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقر کے آخر میں بتا دیا ہے کہ سابق، مقتصد، اور ظالم کون لوگ ہیں، چنانچہ وہاں صدقہ دینے والے کو محسن، سود خوار کو ظالم، اور بیع وشراء مین ٹھیک رہنے والے کو عادل قرار دیا ہے۔ مالی معاملات میں آدمی یا تو محسن ہے، یا عادل، یا ظالم۔ جو شخص واجبات کے ساتھ مستحبات بھی بجالاتا ہے، سابق محسن ہے۔ سود کھانے والا یا زکواۃ روک لینے والا ظالم ہے، اور مقتصد وہ ہے جو فرض زکواۃ ادا کرتا ہے اور سود نہیں کھاتا۔

غرض کہ اس قسم کی تفسیروں میں کسی ایک نوع کا تذکرہ کر دیا گیا ہے، جو آیت کے عموم میں داخل ہے، اور عرض یہ ہے کہ سامع سمجھ جائے کہ آیت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے، اور اس کے تذکرے سے اس کے اشباہ ونظائر کی طرف اس کا ذہن منتقل ہو جائے اور یہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ مثال سے جو تعریف کی جاتی ہے، وہ "حد مطابق" سے زیادہ آسان ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آ جاتی ہے۔ عقل سلیم، مثال سے نوع کو جان جاتی ہے، جیسے ایک روٹی کی طرف اشارہ، روٹی کی پوری نوع بتا دیتا ہے۔

شان (۱) نزول سے متعلق بعض مسائل

اسی طریقے پر سلف اپنی تفسیروں میں اکثر کہتے ہیں کہ فلاں آیت، فلاں شخص یا فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ کتب تفسیر میں اسباب نزول کا بیان ہوتا ہے۔ مثلاً سلف نے کہا ہے کہ آیت ظہار، ثابتؓ بن قیس بن شماس کی عورت کے بارے میں نازل ہوئی، اور آیت

۱۔ یعنی ایک یا چند آیات کے نازل ہونے کا پس منظر۔

لعان، عویمر عجلانیؓ یا ہلالؓ بن امیہؓ کے بارے میں اتری، اور آیت کلالہ، جابر بن عبداللہؓ کے حق میں نازل ہوئی، اور یہ کہ آیت "وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ-" [1] (المائدہ:۷-۴۹) یہودی قبیلوں، بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی، اور آیت "وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ-" [2] (الانفال۲:۱۶) غزوہ بدر کے سلسلے میں اتری، اور آیت "شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" [3] تمیم داری اور عدی بن زید کے معاملے میں اتری، اور حضرت ابو ایوبؓ کا یہ قول کہ آیت "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" [4] (البقرہ:۲۴:۱۹۵) ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی۔

اس قسم کے اقوال بکثرت ہیں کہ سلف کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی یا اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے متعلق، یا مومنین کے کسی خاص گروہ کے بارے میں، تو ان اقوال سے ان کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ان آیتوں کے احکام انہی اشخاص سے مخصوص ہیں اور دوسرے سے ان کا تعلق نہیں، اس قسم کی بات کوئی مسلمان بلکہ کوئی ہوشمند بھی نہیں کہہ سکتا۔

اس بارے میں تو اختلاف ہوا ہے کہ آیت میں سبب کی بنا پر جو لفظ عام استعمال ہوا ہے، وہ اسی سبب کے ساتھ خاص ہے یا نہیں، لیکن علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ کتاب و سنت کے عمومات، متعین اشخاص ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے عمومات، متعین اشخاص کے اشباہ و امثال کے ساتھ خاص ہیں، یعنی ان کا حکم ایسے تمام لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے، جو ان اشخاص کے مشابہ ہوں۔

جس آیت کا سبب نزول معلوم و متعین ہے، اگر وہ امر یا نہی کی آیت ہے، تو اس کا حکم یقیناً

۱- "اور فیصلہ کیجئے ان کے درمیان اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ"

۲- اور جو کوئی اس دن اپنی پیٹھ پھیر لے-" پوری آیہ شریفہ اس طرح ہے:

ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزاً الی فئة فقد بآء بغضب من الله وماواہ جهنم و بئس المصیر-"

۳- "تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موت آ رہی ہو-" اس قصے کی تفصیل ترمذی اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے-لیکن وہاں عدی بن زید کی بجائے عدی بن بداء ہے-واللہ اعلم-

۴- "تم اپنے ہاتھ ہلاکت کی طرف مت ڈالو-" اس قصے کی تفصیل ابن کثیر اور سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے- (ع-ح)

ان سب لوگوں پر جاری ہوگا جو شخص متعین سے ملتے جلتے ہوں- اسی طرح اگر آیت میں مدح یا ذم کی بنا پر کوئی خبر دی گئی ہے' تو وہ بھی اس شخص کے مشابہ تمام لوگوں کے حق میں عام ہے-

سبب نزول کا علم آیت کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے' کیونکہ سبب معلوم ہو جانے سے مسبب بھی معلوم ہو جاتا ہے- اسی بناء پر فقہا کا زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ جب قسم کھانے والے کی نیت معلوم ہو سکے' تو دیکھنا چاہیے کہ قسم کھانے کی تحریک کس سبب سے ہوئی-

اور جب سلف کہتے ہیں کہ یہ آیت' فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے' تو ان کی غرض کبھی یہ ہوتی ہے کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے' اور کبھی مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ معاملہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے' اگرچہ خود وہ معاملہ' سبب نزول نہ بھی ہو-

علمائے محدثین کا اختلاف ہے کہ جب صحابی کہے کہ آیت' فلاں بارے میں نازل ہوئی ہے' تو اس کا یہ قول' حدیث مسند قرار دیا جائے یا محض صحابی کی تفسیر' جو حدیث مسند نہیں سمجھی جاتی؟ امام بخاریؒ نے ایسے قول کو حدیث مسند مانا ہے' مگر دوسرے محدثین ایسا نہیں کرتے- اکثر کتب مسانید' مثلاً مسند احمد وغیرہ اسی اصطلاح کے مطابق ہیں' لیکن جب صحابی' سبب بیان کر کے کہتا ہے کہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی ہے' تو ایسے قول کو تمام محدث' حدیث مسند ہی مانتے ہیں-

پھر یہ بھی یاد رہے کہ سلف میں سے ایک شخص جب کہتا ہے کہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے' اور دوسرا شخص کسی اور بارے میں نزول بتاتا ہے' تو اس سے لازم نہیں ہوتا کہ دونوں میں اختلاف ہے' جب کہ آیت کے مفہوم میں دونوں قول داخل ہوں- اسی طرح جب ایک صحابی ایک سبب نزول بتاتا ہے اور دوسرا صحابی' دوسرا سبب بیان کرتا ہے' تو اسے بھی اختلاف پر محمول نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ ممکن ہے آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو' ایک دفعہ ایک سبب پر دوسری دفعہ دوسرے سبب پر-

تنوع تفسیر کی ان دونوں قسموں کو جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اور جو سلف امت کی تفسیروں میں اکثر ملتی ہیں' اختلاف سمجھ لیا گیا ہے' حالانکہ ان میں اختلاف نہیں ہے- محض تنوع ہے' جو کبھی اسماء وصفات کے تنوع کی وجہ سے ہوتا ہے' اور کبھی اس لیے پیش آتا ہے کہ مسمیٰ کی تمام تفسیر نہیں ذکر ہوئی' بعض ہی انواع واقسام کا تذکرہ کیا جاتا ہے' جیسا کہ تمثیلات کا معاملہ ہے-

اختلاف کی چند اور مثالیں

سلف کی تفسیر میں ایک اور بھی ایسا اختلاف ملتا ہے' جو خود لفظ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے' اور یہ اس طرح کہ لفظ کے معنی ایک سے زیادہ ہوتے ہیں- اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ لغت میں لفظ ایک سے زیادہ معانی کے لیے مشترک ہے جیسے لفظ قسورہ کہ اس کے معنی تیر انداز کے بھی ہیں اور شیر کے بھی' یا لفظ عسعس کہ رات کی آمد کو بھی کہتے ہیں اور رات کے خاتمے کو بھی- دوسری صورت یہ ہے کہ اصل میں تو لفظ کے معنی متعین ہیں' مگر اس سے مراد' معنی کی کوئی ایک نوع یا ایک شخص بتایا جائے' جیسے اس آیت میں ضمیروں کا معاملہ ہے- "ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی-" (النجم) اور جیسے اس آیت کے لفظ "والفجر و لیال عشر والشفع والوتر-" (الفجر) وغیرہ تو ایسی صورت میں کبھی وہ سب معانی مراد ہو سکتے ہیں جو سلف صالحین نے بیان کیے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوتا- سب معانی کا مراد لینا اس لیے جائز ہوتا ہے کہ ممکن ہے آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو: ایک مرتبہ اس مراد کے لیے اور دوسری مرتبہ اس مراد کے لیے اور یا اس لیے کہ لفظ مشترک ہے اور اس کے سب معانی مراد ہو سکتے ہیں' جیسا کہ اکثر فقہائے مالکیہ وشافعیہ وحنبلیہ اور بہت سے علمائے کلام نے جائز رکھا ہے' اور یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ لفظ کے معنی مقرر ہوتے ہیں اور وہ عام ہوتا ہے- جب تک اس کی تخصیص کا کوئی موجب موجود نہ ہو- اس صورت میں اگر سلف کے دونوں قول' صحیح روایت سے پہنچیں تو اسے مذکورہ بالا دوسری قسم میں شمار کرنا چاہیے-

ترادف و تضمن

تفسیر میں سلف کے ایسے اقوال بھی موجود ہیں کہ انہوں نے اپنا اپنا مطلب قریب المعنی الفاظ میں ادا کیا ہے- نہ کہ مترادف الفاظ میں یاد رہے کہ لغت میں مترادف لفظ بہت ہی کم ہیں اور قرآن میں یا تو معدوم ہیں یا نہایت نادر ہیں' چنانچہ قرآن میں ایک ہی مطلب کے لیے ایسے دو لفظ مشکل سے ملیں گے' جو بالکل ہم معنی ہوں- البتہ قریب المعنی لفظ ملیں گے' اور یہ بھی ایک وجہ اعجاز قرآن کی ہے-

اسے مثال سے سمجھو- فرمایا "یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ مَوْرًا-" (الطّور) اب اگر تفسیر میں کہا جائے کہ مور کے معنی ہیں' حرکت تو یہ لفظ کی تقریبی تفسیر ہوگی' کیونکہ مور کے معنی محض حرکت نہیں

ہیں' بلکہ سبک تیز حرکت کو مور کہتے ہیں- اسی طرح یہ کہنا کہ وحی کے معنی آگاہ کرنا ہیں' یا یہ کہنا کہ اوحینا الیک کے معنی ہیں ہم نے تجھ پر نازل کیا-"یا قَضَینا اِلی بَنِی اِسْرَائِیلَ (بنی اسرائیل) کے معنی ہیں"ہم نے بنی اسرائیل کو آگاہ کیا تو یہ بھی تقریبی تفسیر ہی ہوگی نہ بعینہ لفظی' کیونکہ وحی کے معنی محض آگاہ کرنا نہیں بلکہ ایسی آگاہی کو وحی کہتے ہیں جو مخفی طور پر بسرعت دی جائے- اسی طرح لفظ قضاء کے معنی بھی محض آگاہ کرنا نہیں بلکہ اس لفظ میں نازل کرنے اور وحی کرنے کے معنی بھی داخل ہیں-

عربوں کا دستور ہے کہ فعل میں معنی فعل شامل کر دیتے ہیں' اور دونوں سے یکساں برتاؤ کرتے ہیں- یہی دیکھ کر بعضوں نے غلطی سے سمجھ لیا کہ حروف بھی آپس میں ایک دوسرے کے قائم مقام ہو جاتے ہیں' جیسا کہ انہوں نے آیت لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِکَ اِلَی نِعَاجِهِ (ص ۲:۲۴) میں اور آیت "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ" (الصف) میں الی کو مع کا قائم مقام سمجھ لیا ہے' حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے- اور تحقیق وہی ہے جو بصرے کے نحویوں نے کہا ہے کہ فعل میں فعل کے معنی متضمن کر دیئے جاتے ہیں- بنابریں پہلی آیت میں لفظ سوال کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ اس شخص کی بکریوں کو اپنی بکریوں میں ملا لینا اسی طرح آیت "وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ-" (بنی اسرائیل ۷۳:۷) میں یہ مفہوم بھی داخل ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیتے اور روک دیتے- اسی طرح وَنَصَرْنَا مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیَاتِنَا (الانبیاء:۷۷) میں نجات دینے اور بچانے کے معنی بھی شامل ہیں- اسی طرح یشرب بھا عباد اللہ- (الدھر) میں سیراب ہونا بھی داخل ہے اس قسم کی مثالیں بکثرت ہیں-

اسی طرح لاریب کی تفسیر لاشک سے کرنا تقریبی تفسیر ہے کیوں کہ ریب اور شک بالکل ہم معنی لفظ نہیں ہیں- ریب کے مفہوم میں اضطراب و حرکت بھی داخل ہیں- چنانچہ حدیث (۱) میں آیا ہے- "دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلَی مَالَا یُرِیْبُکَ" -- جس طرح لفظ یقین میں سکون و طمانیت کا مفہوم داخل ہے- اسی طرح لفظ ریب میں اضطراب و حرکت کا مفہوم داخل ہے- پس یقین کی ضد ریب ہے- رہ گیا لفظ شک' تو کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ریب کو بھی مستلزم ہیں- مگر خود یہ لفظ ریب کے پورے معنی پر دلالت نہیں کرتا-

اسی طرح ذلک الکتاب کی تفسیر میں کہنا کہ "یہ قرآن" تو یہ تفسیر بھی تقریبی ہوگی' کیونکہ

۱- مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۲/ باب الکسب وطلب الحلال بحوالہ ترمذی' نسائی' دارمی' مسند احمد-

مشارالیہ اگرچہ واحد ہے، مگر حاضر کی طرف اشارے کا معاملہ غائب اور دور کی طرف اشارے سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر کتاب کے معنی ہیں، وہ چیز جو لکھی ہوئی ہو، جمع کی ہوئی ہو، مگر قرآن کے معنی ہیں، وہ چیز جو پڑھی جائے۔

غرض اس طرح کے فرق، قرآن میں موجود ہیں، اور اس بارے میں سلف کی عبارتوں کا جمع کرنا بہت مفید ہے، کیونکہ ایک دو عبارتوں کے مقابلے میں ان کا مجموعہ مفہوم کو کہیں زیادہ واضح کر دیتا ہے۔

سلف میں تفسیری اختلاف ہے لیکن معمولی

لیکن اس تفصیل کا مطلب یہ نہیں کہ سلف میں سرے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بیشک ان میں خفیف اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم احکام میں دیکھتے ہیں، مگر ضروری احکام، سب لوگوں کو معلوم ہیں، بلکہ تواتر سے معلوم ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں، جیسے نماز کی تعداد رکعات اوقات رکوع، خود نمازوں کے اوقات، زکواۃ اور نصاب زکوۃ کے احکام، رمضان کے روزے، حج میں طواف، وقوف، رمی الجمار وغیرہ۔

اور صحابہ میں جو اختلاف نانا دادا، بھائیوں اور ''مشترکہ''[1] وغیرہ کے بارے میں ہوا ہے، تو اس سے فرائض (میراث) کے اکثر و بیشتر مسائل میں کوئی شک و اضطراب پیدا نہیں ہوتا، بلکہ عام طور پر جن مسائل کی زیادہ ضرورت رہتی ہے، جیسے والدین، اولاد، بھائی، بہن، بیوی تو ان کے حصول کی نسبت خدا کی طرف سے تین مفصل آیتیں اتری ہوئی موجود ہیں۔ پہلی آیت میں اصول و فرعی رشتوں کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں شوہر، بیوی اور ماں کے بیٹے وغیرہ کا ذکر ہے، اور تیسری میں حاشیے والے رشتے مذکور ہوئے ہیں، جیسے چچا اور ماموں، دادا اور میت کے بھائیوں کا اجتماع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اسلام میں نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہی ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔

۱۔ یہ مسئلہ میراث کی ایک صورت ہے یعنی جب میت عورت ہو اور اس کے وارث ہوں خاوند، ماں، اخیافی بھائی، سگے بھائی، اس صورت میں بعض صحابہ کے نزدیک ثلث مال میں اخیافی اور سگے بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔ اس بنا پر اس کا عنوان ''مشترکہ'' ہوا۔ اور اکثر کے ہاں یہ ثلث، اخیافی بہن بھائیوں کو ملے گا۔ سگے محروم رہیں گے (مغنی ص ۱۹۔ ۲۰ جلد ۷) حافظ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۳۰۹۔ ۱۲ جلد ۱ (ع۔ح)

اور اختلاف کبھی اس وجہ سے بھی پیش آجاتا ہے کہ دلیل ظاہر نہیں، پوشیدہ ہوتی ہے، اور اس کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو پاتا، یا اس کا سبب عدم سماع ہوتا ہے۔ یعنی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا نہیں ہوتا، اور کبھی خود نص کے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ صحابی کے خیال میں کوئی راجح معارض موجود ہوتا ہے، لیکن یہاں تفصیلات میں نہیں جانا ہے۔ چند اصولی امور کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

فصل (۳)

متاخر مفسرین کے اختلاف کی نوعیت

پھر تفسیر میں اختلاف دو قسم کا ہے: نقل پر مبنی ہے یا نقل کے بغیر اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ علم کے دو ہی سرچشمے ہیں صحیح روایت' یا یقینی استدلال۔ اب روایت و نقل' معصوم پیغمبر سے ہوگی یا غیر معصوم شخص سے۔ جس سے بھی ہو' وہ روایت یا تو ایسی ہوگی کہ اس کی صحت وضعف معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود ہوگا' یا موجود نہ ہوگا۔ آخری قسم کی روایت کہ جس کی صحت و ضعف کچھ نہ معلوم ہو سکے' بے فائدہ ہے اور اس پر گفتگو کرنا فعل عبث ہے لیکن جس علم کی مسلمانوں کو ضرورت ہے' وہ اس قسم کا نہیں ہے' بلکہ خدا کی طرف سے حق پر دلیل قائم ہو چکی ہے' اور اس کی معرفت انسانی امکان میں آ چکی ہے۔

بے نتیجہ تفصیلات

بے فائدہ اور بے دلیل علم کی مثال' اصحاب کہف کے حالات میں اختلاف ہے' یا اس بارے میں اختلاف کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارنے کے لیے گائے کے کس عضو کا استعمال کیا تھا' یا یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کتنی لمبی چوڑی تھی؟ اس کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ یا اس لڑکے کا کیا نام تھا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کر ڈالا تھا؟ ظاہر ہے اس قسم کے معاملات کا علم' نقل ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے' عقل کے ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اب جس معاملے کے بارے میں نبیؐ سے نقل صحیح موجود ہے' تو وہ معلوم ہے' جیسے یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام کے رفیق سفر کا نام' خضر علیہ السلام تھا۔

اسرائیلیات

لیکن جس بارے میں کوئی صحیح نقل موجود نہیں' بلکہ اس کے علم کا ذریعہ اہل کتاب ہیں' جیسے

کعب احبار، وہب اور محمد بن اسحاق وغیرہ کی منقولات، جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں، تو جب تک صحت پر قطعی دلیل موجود نہ ہو، اسی منقولات کی نہ تصدیق جائز ہے نہ تکذیب، کیونکہ صحیح بخاری [1] کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب اہل کتاب تم سے کچھ بیان کریں، تو ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب - ہوسکتا ہے کہ وہ حق بیان کرر ہے ہوں اور تم نادانستہ تکذیب کر جاؤ، یا باطل بیان کرر ہے ہوں اور تم بے جانے تصدیق کر بیٹھو-"

یہی حال اس قسم کی منقولات کا ہے، جو بعض تابعین سے مروی ہیں- اگرچہ تابعی یہ تصریح بھی نہ کرے کہ اس کا ذریعہ معلومات اہل کتاب ہیں، اور جب تابعین ایسے امور میں باہم اختلاف کریں تو ایک تابعی کا قول، دوسرے تابعی پر حجت نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں اگر کوئی بات صحیح روایت کے ساتھ کسی صحابی سے منقول ہو، تو تابعین کے مقابلے میں اس پر دل کو زیادہ اطمینان ہوگا، کیونکہ ممکن ہے صحابی نے وہ بات نبی ﷺ سے سنی ہو، اور کیونکہ تابعی کا نقل کرنا، صحابی کے جزم ویقین کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا، اور یہ معلوم ہے کہ صحابی کی نسبت یہ نہیں کہا جائے گا کہ اہل کتاب سے نقل کررہا ہے جب کہ اسے اہل کتاب کی تصدیق کرنے کی ممانعت ہو چکی ہے- غرض جس اختلاف کی حالت یہ ہو کہ اس میں قول کی صحت معلوم نہ ہوسکے، اور اس کی تفصیل بھی غیر مفید ہو تو اس کا اہتمام کرنا ویسا ہے، جیسا ایسی حدیث کے پیچھے پڑنا جس کی صحت پر کوئی دلیل نہ ہو-

رہیں پہلی قسم کی وہ منقولات، جن کی صحت معلوم کی جاسکتی ہے، تو بحمد اللہ ان کی کمی نہیں-

یہاں یہ یاد رہے کہ تفسیر، حدیث اور مغازی میں ہمارے نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف اگرچہ بہت کچھ منسوب ہے مگر نقل صحیح ہی اسے رد بھی کر رہی ہے-

تفسیری منقولات اور ان کی حیثیت استناد

حقیقت یہ ہے کہ دین میں جن منقولات کی ضرورت ہے، خدا نے ان کی صحت کے اور بطلان کے دلائل قائم کر دیئے ہیں، اور معلوم ہے تفسیر میں بھی زیادہ تر منقولات ویسی ہی ہیں،

۱- مشکوٰۃ ص ۲۸، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ-

جیسی مغازی وملاحم میں ہیں' اس لیے امام احمدؒ(۱) نے فرمادیا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں' جن کی اسناد نہیں' یعنی تفسیر' ملاحم اور مغازی' کیونکہ ان میں اکثریتؐ مرسل روایتوں کی ہے' جیسے عروہ بن الزبیر'(۲) شعبی'(۳) زہری(۴) موسیٰ بن عقبہ(۵) ابن اسحاق(۶) اور ان کے بعد جیسے یحیٰی بن سعید(۷) اموی' ولید(۸) مسلم'(۹) واقدی(۱۰) وغیرہ اصحاب مغازی کی روایتیں۔

۱- حافظ ابن حجرؒ لسان المیزان (ص ۱۳ ج ۱) میں امام احمدؒ کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں "چوتھی چیز فضائل و مناقب ہیں' اس کا بھی اضافہ ہونا چاہیے۔ ضعیف و موضوع کے یہی چار میدان ہیں' کیونکہ عام طور پر ان گپوں کا ماخذ واقدی' مقاتل' کلبی ہیں' ملاحم کی حدیثوں کا دارومدار اکثر اسرائیلیات پر ہے اور مناقب و فضائل کا سرچشمہ' شیعہ اور ان کے جاہل مخالفین ہیں۔

۲- عروہ بن زبیر مشہور تابعی' حضرت عائشہؓ کے بھانجے وفات ۹۴ھ (تہذیب ص ۱۸۰- ۱۸۵ ج ۷) سیرت و مغازی کے پہلے مدون (کشف الظنون)

۳- عامر بن شراحیل شعبی کوفی' مغازی کے حافظ' جلیل القدر تابعی' م ۱۰۹ھ (تہذیب صفحہ ۶۵-۶۹ ج ۵)

۴- محمد بن مسلم بن شہاب زہری جلیل القدر تابعی' متفقہ طور پر ثقہ' وفات ۱۲۴ھ۔

۵- موسیٰ بن عقبہ الاسدی (وفات ۱۴۱ھ) امام زہری کے بہترین شاگرد' ان کی تصنیف کردہ کتاب المغازی سب سے مستند مانی گئی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے (تفصیلی حالات کے لیے تہذیب ص ۳۶۰- ۳۶۲ ج ۱۰)'

۶- محمد بن اسحاق' مغازی کے مشہور امام' حدیث میں ثقہ ہاں "عن" سے روایت کریں تو مدلس ہونے کی وجہ سے ان کی روایت قابل تحقیق' وفات ۱۵۰ھ (تہذیب ص ۳۸-۴۶ ج ۹) سیرت ابن ہشام انہی ابن اسحاق کی سیرت کی تلخیص ہے۔

۷- یحیٰی بن سعید الاموی ابوایوب الحافظ' صاحب مغازی وفات ۱۹۴ھ صدوق (تہذیب ص ۲۱۳ ۲۱۴ جلد ۱۱)

۸- ولید بن مسلم قرشی (وفات ۱۹۴ھ) شام کے مشہور محدث' قوی الحافظہ' ۷۰ کے قریب تصنیفات' جن میں ایک کتاب المغازی ہے (فہرست ابن ندیم ص ۱۵۹' تہذیب ص ۱۵۱-۱۵۴ جلد ۱۱)

۹- جہاں تک میرا خیال ہے' اصل نسخہ (عربی) میں یہ ناسخ کی غلطی ہے' ولید بن مسلم چاہیے "بن" کی بجائے "واؤ" غلطی سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ تلاش کرنے پر بھی مجھے "مغازی" میں مسلم نام کا مصنف ومدون نہیں مل سکا۔ واللہ اعلم۔

۱۰- محمد بن عمر واقدی' وفات ۲۰۷ھ مغازی کے دلچسپ عالم' محدثین کے ہاں بوجہ بے سروپا بیانی بدنام (تہذیب ص ۳۶۳- ۳۶۸ جلد ۹)

مغازی کا سب سے زیادہ علم' اہل مدینہ کو ہے پھر اہل شام کو' پھر اہل عراق کو اہل مدینہ کو اس لیے کہ انہی سے مغازی کا تعلق رہا ہے' اہل شام کو اس لیے کہ وہ جنگ و جہاد میں سب سے زیادہ. مشغول رہے ہیں' لہٰذا اس باب میں جو علم ان کو ہے' دوسروں کو نہیں' اسی لیے ابو اسحاق [1] فزاری کی کتاب المغازی کی بڑی قدر کی گئی اور دوسرے علمائے بلاد کے مقابلے میں اوزاعیؒ [2] کو اس صنف علم کا سب سے بڑا عالم قرار دیا گیا ہے۔

علم تفسیر میں اہل مکہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں' کیونکہ وہ اصحاب عبداللہ بن عباسؓ ہیں' جیسے مجاہدؒ عطاء بن [3] ابی رباحؒ اور عکرمہ [4] مولیٰ ابن عباسؓ طاووس' [5] ابوالشعثاءؒ [6] سعید [7] بن جبیرؒ وغیرہ۔

اسی طرح کوفے میں عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب کو تفسیر میں دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی حال مدینے میں زید بن اسلم جیسے بزرگوں کا ہے۔ امام مالکؒ نے انہی زید بن اسلمؒ [8] سے تفسیر لی ہے' نیز ان کے بیٹے عبدالرحمٰن [9] نے اور عبداللہ بن وہبؒ [10] نے بھی۔

۱- ابراہیم بن محمد بن حارث ابواسحاق الفزاری الکوفی (وفات ۱۸۶ھ) مغازی و سیرت میں بے نظیر تصنیف فرمائی -سنت کے امام' ثقہ' شام میں بود و باش اختیار کر لی تھی- (تہذیب ص ۱۵۱- ۱۵۳ جلد ۱)

۲- عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی -مشہور ثقہ امام ہیں-بعض کے خیال میں یہ نسلاً سندی تھے' شام میں رہ رہے تھے- وفات ۱۵۱- ۱۵۸ کے درمیان (تہذیب ص ۲۳۲- ۲۳۸ جلد ۶) آپ کے حالات میں ایک مستقل کتاب طبع ہوئی ہے-محاسن المساعی نام' علامہ شکیب ارسلان کی تعلیقات کے ساتھ-

۳- مشہور فقیہ تابعی وفات ۱۱۴ھ (تہذیب ص ۱۹۹- ۲۰۲ جلد ۷)

۴- عکرمہ بن عبداللہ ثقہ تابعی' وفات ۱۰۷ھ (تہذیب ص ۲۶۳- ۲۷۳ جلد ۷)

۵- طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمٰنؒ فقیہ تابعی وفات ۱۰۶ھ-

۶- ابوالشعثاء جابر بن زید ازدی مصری' عبداللہ بن عباسؓ کے خاص شاگرد' تفسیر قرآن کے ماہر' وفات ۹۳- ۱۰۴ھ کے درمیان (تہذیب ص-۳۸ جلد ۲)

۷- سعید بن جبیر الکوفی ابو محمد بڑے بزرگؒ اور صاحب علم تابعی' ثقہ' حجاج کے ہاتھوں ۹۵ھ میں مظلوم شہید ہوئے' (تہذیب ص ۱۱' ۱۴ جلد ۴) آپ ہی نے سب سے پہلے تفسیر میں کتاب تصنیف فرمائی' (تہذیب ص- ۱۹۸ جلد ۷-)

۸- زید بن اسلم ابو اسامۃ المدنی مولیٰ عمرؓ مشہور تابعی' وفات ۱۳۶ھ (تہذیب صفحہ ۳۹۵ جلد ۳)

۹- عبدالرحمٰن بن زیدؒ بلحاظ روایت ضعیف' (تہذیب ص ۱۷۷-۱۷۹ جلد ۶) -

۱۰- امام ابو محمد عبداللہ بن وہب القرشی' امام مالکؒ کے مشہور شاگرد' وفات ۱۹۹ھ الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (ابن فرحون) ص ۱۳۲- ۱۳۳)

صحت روایت کا معیار

مرسل روایتیں اگر کئی طریقوں سے مروی ہوں اور انہیں گھڑنے کی سازش نہ کی گئی ہو، تو قطعاً صحیح ہیں، کیونکہ جو بات نقل کی جا رہی ہے، یا تو اصل کے مطابق ہوگی، یعنی صحیح ہوگی، یا اصل کے خلاف ہوگی، یعنی جھوٹی ہوگی (جسے راوی نے گھڑ لیا ہو، یا بیان کرنے میں اس سے نادانستہ غلطی ہوگئی ہو۔ جب یہ دونوں صورتیں نہ ہوں، جھوٹ بھی نہ بولا گیا ہو اور بھول چوک بھی نہ ہوئی ہو، تو روایت بلاشک صحیح ہوگی۔

لہٰذا جب حدیث، دو یا زیادہ طریقوں سے مروی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ راویوں نے اسے مل کر گھڑا نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو کہ اس قسم کے معاملے میں جھوٹ بولنے اور سازش کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی، تو ماننا لینا پڑے گا کہ روایت صحیح ہے۔

مثلاً ایک شخص واقعہ بیان کرتا ہے اور پیش آنے والے اقوال کا تذکرہ تفصیل سے کرتا ہے۔ پھر دوسرا شخص آتا ہے اور بعینہ انہی اقوال و افعال کو بیان کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یقین کر لینا ہوگا کہ واقعہ مجموعی طور پر ضرور پیش آیا ہے۔ یہ اس لیے کہ اگر دونوں راوی جان بوجھ کر یا غلطی سے جھوٹ بولے ہوتے، تو عام تجربہ و مشاہدہ بتاتا ہے کہ دو شخص ایک ہی تفصیل بیان نہیں کر سکتے، جب تک پہلے سے جھوٹ بولنے پر اتفاق نہ کر چکے ہوں۔

یہ تو ممکن ہے کہ دو شاعر ایک ہی شعر کہہ جائیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی جھوٹ دو الگ الگ آدمی بول جاتے ہیں مگر عادتاً یہ نہیں ہوتا کہ ایک شاعر مختلف مضامین پر حاوی لمبا قصیدہ کہے اور دوسرا شاعر بھی انہی الفاظ و معانی کے ساتھ ویسا ہی طول طویل قصیدہ نظم کر دے، اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے، تو ہر زبان کہہ اٹھے گی کہ اس دوسرے شاعر نے پہلے شاعر کا قصیدہ ہتھیا لیا ہے۔

اسی مثال پر حدیث کو قیاس کرنا چاہیے، طویل حدیث، جس میں متعدد مضامین ہوں۔ جب ایک راوی سے پہنچے، اور دوسرا راوی بھی بعینہ اسے روایت کرے، تو ایسی صورت میں اس کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ یا تو دونوں راویوں نے مل کر حدیث گھڑ لی ہے، یا ایک راوی نے دوسرے راوی سے سنی ہے، یا پھر خود حدیث ہی صحیح ہے۔

انہی طریقوں سے اکثر ان منقولات کی صحت کی تسلیم کی جاتی ہے، جو مختلف طریقوں سے پہنچتی ہیں، اگرچہ ان میں کی اکیلی روایت اپنے ارسال یا ضعف ناقل کے باعث کافی نہیں ہوتی،

لیکن منقولات کے الفاظ اور دوسرے دقائق کی تحقیق کی یہ راہ نہیں ہے- اس کے لیے دوسرے ذرائع سے کام لیا جاتا ہے (یہ قاعدہ قدر مشترک کی یقینی صحت کا ہے) مثلاً تواتر سے ثابت ہے کہ غزوہ بدر پیش آیا تھا' اور یہ کہ غزوہ بدر' غزوہ احد سے پہلے تھا- یہ بھی یقین سے معلوم ہے کہ حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیداللہؓ لڑنے کے لیے عتبہ' شیبہ اور ولید کے مقابلے میں نکلے تھے- حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر ڈالا تھا اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے ان کا حریف مارا گیا تھا' مگر اس بارے میں شک ہے کہ حضرت حمزہؓ کا حریف کون تھا' عتبہ تھا یا شیبہ تھا-؟

ایک اصولی قاعدہ

مذکورہ بالا اصولی قاعدہ یاد رکھنا چاہیے' کیونکہ حدیث' تفسیر' مغازی اور لوگوں کے افعال و اقوال سے متعلق منقولات کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے- مثلاً نبیؐ سے ایک حدیث' دو طریقوں سے روایت ہوتی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہوتے ہیں کہ ایک راوی نے دوسرے راوی سے روایت نہیں لی ہے' تو ایسی صورت میں اس روایت کے صحیح ہونے کا یقین ہو جاتا ہے- خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہو کہ راوی ان لوگوں میں سے نہیں' جو جان بوجھ کر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں- البتہ انفراداً نادانستہ غلطی اور بھول چوک ضرور ممکن ہے (جس کی تلافی اجماعی روایت سے ہو جاتی ہے)

صحابہؓ تابعینؒ قابل اعتماد ہیں

جو کوئی صحابہؓ کے حالات سے واقف ہے' مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہم کے حالات سے باخبر ہے' وہ یہ بھی یقین سے جانتا ہے کہ ان میں کوئی صحابی رسول اللہؐ پر کذب عمد کا مرتکب نہیں ہو سکتا- یعنی جان بوجھ کو جھوٹ نہیں بول سکتا- یہ ان صحابیوں کا حال ہے' لیکن جو صحابی ان سے بلند درجے کے ہیں' ان پر تو اور بھی شک نہیں ہو سکتا- یہ معاملہ ایسا ہی ہے' جیسے تمہیں اپنی ذاتی واقفیت اور طویل تجربے سے کسی شخص کے بارے میں یقین ہو جاتا ہے کہ وہ نہ چوری کر سکتا ہے' نہ قزاقی کے گناہ سے آلودہ ہو سکتا ہے' نہ جھوٹی گواہی دینا ہی اس سے ممکن ہے-

یہی حال مدینے، مکے، شام، بصرے کے تابعین کا ہے۔ جس کسی کو مثلاً ابو صالح[1] سمان، اعرج[2]، سلیمان[3] بن یسار، زید بن اسلم وغیرہ کے حالات سے واقفیت ہے، یقین سے جانتا ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹے سے آلودہ نہیں ہو سکتے۔ پھر ان سے بلند پایہ تابعین کا کیا کہنا، جیسے محمد سیرین[4] قاسم[5] بن محمد سعید[6] بن المسیب، عبیدہ[7] سلمانی، علقمہ[8] اسود[9] وغیرہ۔

اتفاقیہ غلطی صحت کے منافی نہیں

یہ ضرور ہے کہ انفراداً غلطی کا احتمال ان سے بھی ہے۔ آدمی بھول چوک کا شکار ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن ایسے حافظ حدیث بھی ہیں کہ وہ غلطی اور نسیان سے بہت دور سمجھے گئے ہیں (یعنی ان کی بھول بہت ہی قلیل ہے) انہی میں شعبی، زہری، عروہ، قتادہ[10] ثوری جیسے مشاہیر بھی ہیں۔ زہری

۱۔ ابو صالح ذکوان، حضرت ابو ہریرہؓ کے مشہور ثقہ شاگرد، وفات ۱۰۱ھ (تہذیب ص ۱۹ جلد ۳)

۲۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کے مشاہیر تلامذہ سے ہیں۔ وفات ۱۱۱ھ (تہذیب ص ۲۹۰ جلد ۶)

۳۔ سلیمان بن یسار الہلالی المدنی تابعی۔ ۹۳ھ سے ۱۰۹ھ کے درمیان وفات۔

۴۔ محمد بن سرین انصاری اپنے وقت کے امام حدیث وفقہ، جلیل القدر تابعی۔ وفات ۱۱۰ھ (تہذیب ص ۲۱۴۔ ۲۱۷ جلد ۹)

۵۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ۔ جلیل القدر تابعی۔ وفات ۱۰۶ھ (تہذیب ص ۳۳۳ جلد ۷)

۶۔ حضرت سعید بن المسیب القرشی جلیل القدر تابعی، جید محدث وفقیہ وفات ۹۳ھ (ابن خلکان ص ۲۰۶ جلد ۱)

۷۔ عبیدہ بن عمرو سلمانی الکوفی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد، وفات ۷۰ھ (تہذیب ص ۸۴ جلد ۷)

۸۔ علقمہ بن قیس النخعی الکوفی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص تلمیذ، وفات ۶۲۔ ۷۳ھ کے درمیان۔ (تہذیب ص ۲۷۶ جلد ۷)

۹۔ اسود متعدد راوی ہیں۔ یہاں سے مراد شاید اسود بن ہلال المحاربی الکوفی ہوں۔ وفات ۸۴ھ (تہذیب ص ۳۴۲ جلد ۱)

۱۰۔ قتادہ بن دعامہ السدوسی البصری مشہور تابعی۔ وفات ۱۱۷ھ

اور ثوریؒ تو اپنے اپنے زمانے میں بہت بڑے حافظ حدیث مانے جاتے تھے' اور لوگ تعجب سے کہا کرتے تھے کہ اس قدر کثرت سے حفظ حدیث وروایت پر بھی ابن شہاب زہری سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔

طویل احادیث میں قدر مشترک کی صحت کافی ہے

غرض جب کوئی طویل حدیث' دو مختلف طریقوں سے مروی ہو' اور راویوں کی اس میں سازش نہ ہو' تو وہ روایت نہ غلط ہو سکتی ہے نہ جھوٹی' کیونکہ غلطی' پورے لمبے قصے میں نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعض حصوں ہی میں ہو سکتی ہے۔ تو اب اگر دو راوی بعینہ ایک ہی طولانی قصہ بیان کرتے ہیں' اور دونوں کا بیان یکساں ہے' تو سمجھ لینا چاہیے کہ بیان وروایت نہ غلطی ہے نہ جھوٹ ہے' خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ان راویوں نے جھوٹ بولنے پر اتفاق نہیں کیا ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اونٹ خریدا تھا۔ اس حدیث کے مختلف طریق پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حدیث یقیناً صحیح ہے' گو اس کے حصے میں راویوں کا اختلاف ہو گیا ہے کہ حضرت جابرؓ کو قیمت کتنی دی گئی تھی' جیسا کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اسے واضح کیا ہے۔

صحیحین کی صحت پر اجماع ہے

بخاری و مسلم میں جو حدیثیں موجود ہیں' ان کے بارے میں یقین [1] ہے کہ نبی ﷺ ہی

۱۔ صحیحین کی حدیثوں کے متعلق مصنف علامؒ منہاج السنہ (ص ۱۱۳ جلد ۴) میں فرماتے ہیں:

واھل الحدیث یعلمون صدق متون الصحیحین — من شرکھم فیھا علم ماعلموہ ومن لم یشرکھم لم یعلم ذلک — اھ

''اہل حدیث کو یقین ہے کہ صحیحین کے متون صحیح ہیں۔ نا آشنایان فن البتہ اس یقین سے محروم ہیں۔''

دوسرے مقام پر اس دعویٰ کو مدلل فرمایا ہے:

احادیث البخاری و مسلم رواھا غیرھما من العلماء والمحدثین من لا یحصی عددھم الا اللہ و لم ینفرد واحد منھما بحدیث بل مامن حدیث الا وقد رواہ قبل زمانہ وفی زمانہ وبعد زمانہ طوائف— الی قولہ— والمقصود ان احادیثھما نقدھا الائمۃ الجھابذۃ قبلھم وبعدھم ورواھا خلائق لا یحصی عددھم الا اللہ فلم ینفرد الا بروایۃ ولا بتصحیح' اھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے فرمودات ہیں، اوران کی بڑی اکثریت اسی قبیل سے ہے جس کا ہم تذکرہ کررہے ہیں۔ اہل علم نے قبول وتصدیق کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا ہے۔

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھو الحفیظ بحفظ ھذا الدین کما قال تعالیٰ ان نحن نزلنا الذکرو انا لہ لحافظون (الحجر) (منہاج السنۃ ص ۵۹ جلد ۴)

''صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث صرف ان دونوں نے ہی روایت نہیں کی ہیں بلکہ بے شمار علماء ومحدثین ان کے راوی اور ناقل ہیں، ان سے قبل کے لوگ بھی، ان کے اہل زمانہ بھی اوران کے بعد میں آنے والے بھی۔''

''نہ صرف روایت ہی کیا ہے، بلکہ ان کو خوب خوب جانچا، اچھی طرح پرکھا بھی، پھر یہ ناقدین بھی بڑے بڑے نقادان فن تھے۔ حاصل یوں سمجھئے کہ صحیحین کی روایات کے نہ بیان کرنے میں، یہ دونوں امام منفرد ہیں اور نہ ہی صحیح قرار دینے میں متفرد۔ اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ مشکوک (ضعیف) حدیثیں رواج پاجائیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں قیامت تک کے لیے شریعت کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔''

حضرت شیخ الاسلامؒ سے قبل ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم علامہ ابوعمرو عثمان بن الصلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) نے صحیحین کی احادیث کے متعلق یہی ارشاد فرمایا ہے، صحیحین کا ذکر کرکے لکھتے ہیں: وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحۃ (مقدمہ ۱۴) (صحیحین کی حدیثیں قطعاً آنحضرت ﷺ کا فرمان ہیں) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں، محققین کا مسلک یہی ہے جو ابن الصلاح کا ہے۔'' (سندی حاشیہ شرح نخبہ ص ۲۱) حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ (الباعث الحثیث ص ۸) امام شوکانیؒ اپنی کتاب قطر الولی میں فرماتے ہیں۔

اجمع اھل ھذا الشان ان احادیث الصحیحین او احدھما کلھا من المعلوم صدقہ المتلقی بالقبول المجمع علی ثبوتہ وعندھذہ الا جماعات تندفع کل شبھۃ ویزول کل تشکیک اھ۔

''فن حدیث والوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں یا ان میں سے ایک کی حدیث یقیناً صحیح اور مفید علم ہیں۔ ایسے اتفاق کی موجودگی میں ہر قسم کا شک وشبہ دور ہوجاتا ہے۔''

(حاشیہ موائد العوائد ص ۲۳۹، از حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ) اور ارشاد الفحول الی تحقیق الحق فی علم الاصول (ص ۴۷) میں فرماتے ہیں:

لانزاع فی ان خبر الواحد اذا وقع الاجماع علی العمل بمقتضاہ فانہ یفید العلم لان الاجماع علیہ قدصیرہ من المعلوم صدقہ ومن ھذا القسم احادیث صحیحی البخاری ومسلم فان الامۃ تلقت مافیھما بالقبول ومن لم یعمل بالبعض من ذالک فقد اولہ والتاویل فرع القبول۔ اھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غلطی پر اجماع ممکن نہیں

اور معلوم ہے امت کا اجماع، غلطی پر نہیں ہو سکتا' حدیث اگر جھوٹی ہے' اور امت اسے قبول و تصدیق کی سند بخش رہی ہے' تو مطلب یہ ہوگا کہ امت نے ایک ایسی بات پر اجماع کرلیا

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ''اس میں کوئی نزاع ہی نہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنے میں جب اجماع ہو جائے تو وہ یقینی قرار پاتی ہے' کیونکہ اجماعی حکم قطعی ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیثوں کا یہی مرتبہ ہے۔ اس لیے کہ علمائے امت نے ان کو قبولیت کا شرف بخشا ہے۔ اگر کسی نے ان کی حدیث پر عمل نہیں بھی کیا' تو اس کی صحت میں شک کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی تاویل کی وجہ سے''

اس قسم کی تصریحات یمن کے ایک اہل حدیث محقق و نقاد علامہ محمد بن ابراہیم وزیر (المتوفی ۸۴۰) نے الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم (ص ۷۸ جلد ۱) میں فرمائی ہیں' اور یہی تحقیق حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ یحییٰ بن ابی بکر یمنیؒ سے نقل کی ہے' جو انہوں نے اپنی کتاب **الریاض المستطابۃ فی جملۃ ممن روی فی الصحیحین من الصحابہ** میں تحریر فرمائی ہے۔ (دیکھئے منہج الوصول ص ۳۱ - ۳۳)

اس مسلک کی قوت دلیل نے بعض متکلمین اور مذاہب اربعہ کے محققین کو بھی اس امر پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ صحیحین کی احادیث کے قطعی یقینی ہونے کا اعتراف کریں' جیسا کہ مصنف علامؒ اپنے اگلے کلام میں ذکر فرما رہے ہیں' رہے اہل حدیث' تو وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں! **وجمیع اھل الحدیث علی ماذکرہ الشیخ ابو عمرو (الصواعق المرسلہ ص ۴۷ جلد ۲)**

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کتب حدیث کو چند طبقات (درجے) پر تقسیم کرتے ہوئے صحیحین و موطا کو اعلیٰ درجے میں داخل کیا ہے' اور ان کی احادیث کے ایک حصے کو متواتر و مشہور اور دوسرے حصے کو قطعی صحیح فرمایا ہے: **وما کان اعلیٰ حد فی الطبقۃ الاولیٰ فانہ یصل الی حد التواتر وما دون ذلک یصل الی الاستفاضۃ ثم الی الصحۃ القطیعۃ** (حجۃ اللہ۔ ص ۱۳۳ جلد ۱) اور صحیحین کے متعلق فرماتے ہیں:

واما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع مافیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وان کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین ا ھ (ص ۱۳۴ جلد ۱) یعنی صحیحین کی متصل و مرفوع حدیثوں پر محدثین کا اتفاق ہے کہ قطعی صحیح ہیں' ان کے مصنفین تک ان کی سندیں متواتر ہیں' جو کوئی ان کی اہمیت کم کرتا ہے' وہ بدعتی اور مسلمانوں کے سوا دوسرے رستے پر گامزن ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے‘ جو فی نفسہ کذب و دروغ ہے- یہ اجماع‘ غلطی پر ہوگا‘ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ امت غلطی پر اتفاق کرلے- اگر ہم اجماع کا علم ہونے سے پہلے کسی حدیث کے متعلق جائز سمجھتے ہیں کہ غلط ہوگی یا کذب محض ہوگی‘ تو ہمارا یہ سمجھنا ایسا ہی ہے کہ اجماع کا علم ہونے سے پہلے ہی کسی ایسے حکم کے بارے میں‘ جو ظاہر آیا قیاس ظنی سے ثابت ہے‘ جائز سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں وہ حکم ویسا نہ ہو‘ جیسا ہم سمجھ رہے ہیں‘ لیکن جب اس حکم پر اجماع کا علم ہو جاتا ہے‘ تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ وہ حکم‘ ظاہر ہی میں نہیں‘ حقیقت میں بھی ثابت ہے-

اجماع اہل فن سے حدیث قطعی صحیح ہو جاتی ہے

اسی لیے تمام اسلامی فرقوں کے جمہور اہل علم کا اس بارے میں اتفاق ہو چکا ہے کہ خبر واحد پر بھی اگر امت‘ قبول و تصدیق کے ساتھ عمل کرنے لگے تو اس حدیث کا حکم فرض قرار دیا جائے گا- امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے جن متبعین نے اصول فقہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں‘ انہوں نے اس بات کا بھی صاف ذکر کر دیا ہے-

ہاں متاخرین میں تھوڑے آدمیوں نے اس مسلک سے اختلاف کیا ہے‘ اور متکلمین (۱) کے مسلک پر چل پڑے ہیں‘ لیکن اکثر متکلمین اس بارے میں فقہاء سے اور اصحاب

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) محققین علماء کے ان ارشادات سے ان لیڈر قسم کے اہل علم اور ان کے معتقدین کی اس تحقیق کی حقیقت کھل جاتی ہے جس کے بل بوتے پر مزاج شناس رسول‘ کا منصب اختیار فرماتے ہوئے وہ صحیح بخاری تک کی حدیثوں کو مشکوک (ضعیف) بنا کر رکھ دیتے ہیں‘ (اور اسی بنا پر عبداللہ بن ابی کے جنازے والی صحیح بخاری کی روایت کو ایک ضعیف روایت کی وجہ سے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں مسترد کر دیا گیا ہے) اور اس طرح صحیحین کی اہمیت کم کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں- اور لطف یہ ہے کہ اس کارروائی کا نام ''مسلک اعتدال'' رکھ دیا ہے‘ جب کہ حسب فرمان شاہ ولی اللہ رحمۃ علیہ اسے ''مسلک ابتداع و اعتزال'' کہنا زیادہ مناسب ہے-

۱- یہاں متکلمین سے علماء کی وہ جماعت مراد ہے جو عقائد کے مسائل میں امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری (وفات ۳۲۴ھ) اور علامہ ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی (وفات ۳۳۳ھ) کے مکاتیب فکر سے متعلق ہے- اکثر شوافع اور مالکی اول الذکر سے منسلک ہیں‘ اور ثانی الذکر سے حنفیہ کرام- چند مسائل میں دونوں کا اختلاف ہے اور اکثر میں متفق ہیں- اہل حدیث ان دونوں سے بہت سے امور میں الگ ہیں- ان کے عقائدی مسلک کی وضاحت مصنف علامؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے فرمائی ہے لیکن یہ تینوں گروہ اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں-

حدیث وسلف سے متفق ہیں- اکثر اشاعرہ بھی اسی کے قائل ہیں، جیسے ابواسحاق، (۱) اور ابن فورک (۲) البتہ ابن (۳) الباقلانی کو اس سے انکار ہے- ابوالمعالیؒ (۴) ابو حامدؒ، (۵) ابن عقیلؒ (۶) ابن جوزیؒ (۷) ابن خطیبؒ (۸) اور آمدیؒ، (۹) وغیرہ نے ان الباقلانیؒ کی پیروی کی ہے- پہلے مسلک کا بیان، ائمہ شافعیہ میں سے شیخ ابو حامدؒ (۱۰) ابوالطیبؒ (۱۱) ابواسحاقؒ وغیرہ نے

۱- فقہائے شافعیہ میں ابواسحاقؒ متعدد ہیں، ان میں سے ابراہیم بن محمد اسفرائنی اور ابراہیم بن علی شیرازی بھی ہیں اور یہ دونوں مسئلہ زیر بحث میں مصنفؒ کے ہم مسلک ہیں، اول الذکر کا مسلک صراحۃً صواعق مرسلہ (ص ۳۷۳ جلد ۲) میں مذکور ہے- اور ثانی الذکر نے اصول فقہ کی اپنی کتاب اللمع (ص ۴۷) میں اس کی وضاحت فرمائی ہے- علامہ ابواسحاق اسفرائنی کی وفات ۴۱۸ھ میں ہوئی، اور علامہ ابواسحاق شیرازیؒ کا سن وفات ۴۷۶ ہے- رحمہما اللہ تعالیٰ (دونوں کے حالات ابن خلکان ص ۴ جلد ۱ میں دیکھئے -

۲- محمد بن حسن بن فورک ابوبکر شافعی، اشعریؒ مدرسہ فکر کے مشہور عالم، قریباً سو کتابوں کے مصنف، ان کی ایک کتاب ''مشکل الحدیث'' حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی ہے، جو کلامی طرز پر ہے- وفات ۴۰۶ھ (طبقات الشافعیہ للسبکی ص ۵۲- ۵۶ جلد ۲)

۳- قاضی ابوبکر محمد بن الطیب باقلانیؒ اشعری علم کلام کے امام، بہترین مناظر، اپنے دور کے ملحدین کے رد میں اچھی کتابوں کے مصنف، اعجاز القرآن ان کی مشہور کتاب علمی حلقوں میں پسندیدہ ہے- حال ہی میں ان کی ایک اور کتاب التمهید فی الرد علی الملاحدة و القرامطة و الرافضة مصر میں طبع ہوئی ہے- وفات ۴۰۳ھ (ابن خلکان ص ۴۸۱ جلد ۱)

۴- علامہ عبدالملک بن عبداللہ جوینیؒ، امام الحرمین کے لقب سے شہرت ہے، اکابر اشاعرہ کے استاد- وفات ۴۷۸ھ (ابن خلکان ص ۲۲۷ جلد ۱ السبکی ص ۲۴۹، ۲۸۲ جلد ۳)

۵- علامہ ابوحامد محمد بن محمد غزالی وفات ۵۰۵ھ -

۶- ابوالوفا علی بن عقیل البغدادیؒ مشہور حنبلی فقیہ، ابویعلی کے شاگرد، وفات ۵۱۳ھ-

۷- علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی البغدادی، الشہیر بابن الجوزی، نامور حافظ حدیث، متکلم، فقیہ، مورخ، واعظ، کثیر التصانیف، وفات ۵۹۷ھ (ابن خلکان ص ۲۷۹. جلد ۱-

۸- ابن الخطیب العلامہ فخر الدین محمد بن عمر الرازیؒ تفسیر کبیر کے مصنف، شافعی المسلک، اشعری العقیدہ، وفات ۶۰۶ھ-

۹- ابوالحسن علی بن محمد السیف الآمدیؒ عقائد میں اشعری، فروع میں شافعی، جدلیات میں ماہر، اصول فقہ اور علم کلام کے سرکردہ عالم، وفات ۶۳۱ھ (ابن خلکان ص ۳۴۳ جلد ۱)

۱۰- احمد بن محمد اسفرائنی، شافعی المسلک، سینکڑوں شاگرد حلقہ درس سے مستفید ہوتے- وفات ۴۰۶ھ (ابن خلکان ص ۱۹ ج ۱)

۱۱- علامہ ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبری الشافعیؒ فقہ واصول فقہ کے مستند فاضل، شیخ ابواسحاق شیرازی کے استاد، وفات ۴۵۰ھ (ابن خلکان ص ۲۳۳ جلد ۱)

کیا ہے، مالکیوں میں سے قاضی عبدالوہاب [1]، وغیرہ نے حنفیوں میں شمس الدین [2] سرخسیؒ وغیرہ [3] نے، اور حنبلیوں میں سے ابوالخطابؒ [4] اور ابوالحسن [5] بن الزاغونیؒ وغیرہ نے کیا ہے۔

محدثین کے اجماع کی حیثیت

مگر خیال رہے، تصدیق حدیث کے جس اجماع سے حدیث، یقینی ہو جاتی ہے، وہ علمائے حدیث کا اجماع ہے۔ (یعنی جب ان کا اجماع ہو جائے، تو دوسرے کسی شخص کی تنقید کا اعتبار نہیں ہوگا) جس طرح احکام کے اجماع میں، امر ونہی واباحت کے علماء کا اجماع معتبر ہوتا ہے۔

مقصد یہ ہے، کہ جب کسی حدیث کی اتنی سندیں آ جائیں کہ اس کے راویوں کو ایک دوسرے کے روایت کرنے کا پتہ نہ ہو، اور سب کا ارادۂ اتفاق بھی مشکل نظر آتا ہو، تو ایسی متعدد طرق سے مروی حدیث، علم یقین بخشا کرتی ہے، لیکن اس قاعدے سے انہی لوگوں کو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنہیں رایوں کے حالات کا علم بھی حاصل ہے۔ عام لوگ اس قاعدے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

شواہد کی حیثیت

ایسے ہی موقعوں پر مجہول اور ضعیف الحفظ راویوں کی روایت سے اور مرسل احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، چنانچہ اہل علم اس قسم کی حدیثیں لکھ لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں، شواہد کا کام دے سکتی ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں میں کبھی کمزور راوی کی حدیث اس خیال سے لکھ لیتا

۱۔ قاضی ابو محمد عبدالوہاب بن علی البغدادیؒ مالکی مکتب فکر کے فاضل مصنف، عراق کے بعض شہروں میں سالہا سال تک عہدہ قضا پر فائز رہے، آخری عمر میں مصر چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی ۴۲۲ھ (ابن خلکان ص ۳۰۴ جلد ۱)

۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ حنفی فقہ و اصول کے مستند امام عمدہ اور مفید کتابوں کے مصنف، مشہور کتاب مبسوط انہی کی ہے، وفات ۴۳۸ھ (الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۶۴)

۳۔ صواعق (ص ۳۷۲ جلد ۲) میں بحوالہ مصنف علام، ابوبکر جصاص وغیرہ کو انہی میں شمار کیا ہے۔

۴۔ ابوالخطاب محفوظ بن احمد البغدادیؒ حنابلہ کے جلیل القدر مصنف، قاضی ابویعلی کے شاگرد، وفات ۵۱۰ھ۔

۵۔ ابوالحسن علی بن عبداللہ الزاغونی، حنابلہ کے شیخ، متعدد علوم میں مہارت رکھتے، وفات ۵۲۷ھ (شذرات)

ہوں کہ اس سے دوسری حدیثوں کو جانچ پڑتال میں کام لوں گا- قاضی مصر' عبداللہ [1] بن لہیعہؒ اسی قسم کے ایک راوی تھے' بے شمار حدیثوں کا سرمایہ رکھتے تھے اور خود بہترین آدمیوں میں شمار ہوتے تھے' لیکن جب کتابیں جل گئیں تو روایت میں ٹھوکریں کھانے لگے' پھر ان کی حدیثوں سے شواہد کا کام لیا جانے لگا' حالانکہ امام لیث بن سعدؒ [2] کے ہم رتبہ حافظ مانے جاتے ہیں' اور معلوم ہے لیث حدیث میں حجت و امام ہیں-

علم علل الحدیث کا مرتبہ

اور اہل علم بالحدیث جس طرح ضعیف الحفظ راویوں کی حدیثوں سے شواہد کا کام لیتے ہیں' اسی طرح محتاط اور ثقہ راویوں کی حدیث کے بعض ٹکڑوں کو بھی ضعیف کہہ دیتے ہیں' جب ان کو دلائل سے معلوم ہو کہ یہ حصہ وہم یا غلط ہے- اس علم کا نام' جس سے حدیث کے یہ سب پہلو معلوم کیے جاتے ہیں- "علم علل الحدیث" ہے' اور حدیث کے علوم میں اس علم کا پایہ بہت بلند ہے-

یہ بات اس تشریح سے سمجھ میں آ جائے گی کہ ایک محتاط و ثقہ راوی ایک حدیث روایت کرتا ہے' مگر روایت میں کچھ غلطی بھی کر جاتا ہے- "علم علل الحدیث" نہ ہوتا تو اس حدیث کو قبول کر لیا جاتا' کیونکہ راوی محتاط و ثقہ آدمی ہے' لیکن نہیں' یہ علم فوراً اس ثقہ راوی کی غلطی بتا دیتا ہے-

ثقہ راوی کی غلطی کے اسباب

ثقہ راوی سے غلطی کبھی ظاہری سبب سے ہوتی ہے اور کبھی غیر ظاہری سبب سے- مثلاً ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح' حالت احرام میں کیا تھا' اور خانہ کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی- اس کے بعد ابن عباسؓ کی وہ روایت سامنے آ جاتی ہے' جس میں کہا گیا ہے کہ میمونہؓ سے نکاح حالت احرام میں نہیں ہوا تھا' بلکہ احرام سے حلال ہو چکنے کی

۱- عبداللہ بن لہیعہؒ کے حالات کے لیے دیکھئے تہذیب و تقریب ۱۲-

۲- امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن المصری فقہ و حدیث کے امام' آپ کے حالات میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مستقل رسالہ لکھا ہے- جس کا نام "الرحمۃ الغیثیہ" ہے' مصر میں طبع ہو چکا ہے- وفات ۱۷۵ھ (ابن خلکان ص ۴۳۸ جلد ۱)

حالت میں ہوا تھا'(۱) اور رسول اللہ ﷺ نے کعبے میں دو رکعت نماز نہیں پڑھی تھی۔ علل حدیث کا عالم فوراً جان جائے گا کہ اس روایت میں راوی سے غلطی ہوگئی ہے۔

اسی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے تھے' مگر عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا تھا۔ علل حدیث کا عالم سمجھ جائے گا کہ یہ راوی کی غلطی ہے۔

اسی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعے پر' حالت امن میں تمتع (۲) کیا تھا' مگر ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ اس موقعہ پر ہم حالت خوف میں تھے۔ علم علل الحدیث کا عالم جانتا ہے کہ اس روایت میں بھی راوی کو ٹھوکر لگی ہے۔

اسی طرح بخاری کے بعض طرق روایت میں ہے کہ جہنم نہیں بھرے گا' یہاں تک کہ خدا ایک نئی مخلوق (۳) جہنم کے لیے بنادے گا' علم علل حدیث صاف بتا رہا ہے کہ اس روایت میں بھی

۱- شاید یہ بحث نفس نکاح میمونہؓ کے بارہ میں ہو کہ وہ بحالت احرام ہوا یا احرام سے حلال ہونے کے بعد جیسا کہ امام بخاری بھی روایت اپنی صحیح میں لائے ہیں رہا یہ مسئلہ کہ بحالت احرام نکاح کا حکم کیا ہے؟ سو اس کی تصریح اپنے رسالہ منسک حج میں مصنف علامؒ نے کی ہے کہ وہ ناجائز ہے' آپ کے شاگرد حافظ ابن القیمؒ نے بھی زاد المعاد ص ۶ ج ۴ میں اس مسلک کو ترجیح دی اور حدیث زیر بحث وغیرہ دلائل پر مدلل لکھا ہے۔ نیز دیکھئے فتح الباری ص ۵۸ ج ۵ واللہ اعلم (ع-ح)

۲- تمتع' حج کا ایک طریقہ ہے جس میں حج اور عمرے کا احرام الگ ہوتا ہے۔ یہ اصطلاحی معنی ہے' لغوی طور سے "قران" (ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج کے ادا کرنے کی نیت کرنا) پہ بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس جگہ غالباً مراد بھی یہی ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حج "قران" تھا چنانچہ مصنف علام نے اپنے رسالہ منسک حج میں اس کی تصریح کی ہے نیز لکھا ہے کہ جن راویوں نے آپؐ کا "حج تمتع" نقل کیا ہے ان کا مطلب بھی "قران" ہے (مرادهم بالتمتع القرآن كما ثبت ذلك في الصحاح اھ (رسالہ منسک حج) (ع-ح)

۳- جس حدیث کا یہ ٹکڑا مصنف علام قدس اللہ روحہ نے ذکر فرمایا ہے' وہ کتاب التوحید کے باب ماجاء في قول اللہ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین میں ہے۔ اس باب کی غرض اللہ تعالیٰ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

راوی بہک گیا ہے۔

افراط وتفریط

اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، لیکن لوگ اس بارے میں دو آخری حدوں تک پہنچ گئے ہیں، ایک طرف متکلمین وغیرہ ہیں، جو علم حدیث واصحاب حدیث سے دور ہیں۔ صحیح وضعیف روایتوں میں تمیز نہیں کر سکتے، اور ان احادیث کی صحت وقطعیت میں بھی شک کرنے لگ جاتے ہیں، جو

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لیے رحمت کی صفت ثابت کرنا ہے۔ اس کے لیے امام بخاریؒ متعدد حدیثیں لائے ہیں۔ جن میں ایک یہ بھی ہے، اس میں یہ لفظ ہیں: **قال للجنة انت رحمتی وقال للنار انت عذابی** (حق تعالیٰ نے جنت کے لیے ارشاد فرمایا (تو میری رحمت ہے، اور آگ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، تو میرا عذاب ہے) حدیث کے اتنے حصے سے حضرت امام کی غرض پوری ہو جاتی ہے، غرض کے پورے ہونے کے بعد کوئی ٹکڑا اگر ایسا بھی حدیث میں آ جائے جو معلول ہو، تو اس طرح ہو جانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس سے امام بخاریؒ کی قطعیت صحت پر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث امام بخاریؒ دوسرے مقام پر یعنی سورہ ق کی تفسیر میں لائے ہیں، اس میں یہ لفظ نہیں ہیں، وہاں محمد بن سیرین عن ابی ہریرہؓ اور ہمام عن ابی ہریرہؓ ہے، اور یہاں الاعرج عن ابی ہریرہؓ ہے۔ بلکہ ہمام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ الاعرج کی روایت میں قلب ہو گیا ہے، کیونکہ ہمام کے لفظ یہ ہیں: **فاما النار فلا تمتلی حتی یضع رجلہ فتقول قط قط فھنا لک تمتلی ویزوی بعضھا الی بعض ولا یظلم اللہ من خلقہ احد اواما الجنة فان اللہ ینشی لھاخلقاً** (دوزخ میں اللہ تعالیٰ (آخر میں) اپنا قدم رکھے گا، تو اس کے اثر سے وہ اپنے آپ کو بھرا ہوا محسوس کرے گی اور بس بس کر دیگی، لیکن جنت کے لیے اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا فرمائے گا) اور الاعرج کے لفظ یہ ہیں: **واما الجنہ فان اللہ لا یظلم من خلقہ احدا وانہ ینشی للنار من یشاء فیلقون فیھا، الحدیث** (لیکن جنت، تو اللہ کسی پر ظلم نہیں کریگا اور آگ کے لیے اور مخلوق پیدا کرے گا تو وہ اس میں ڈالے جائیں گے) دیکھئے، دونوں روایتوں کے مقابلے سے صاف معلوم ہو رہا ہے، کہ الاعرج کی روایت میں کسی راوی کے وہم کی وجہ سے "قلب" ہو گیا ہے۔ فتح الباری (ص ۵۰۷ جلد ۶) میں ہے: **قال جماعة من الائمة ان ھذالموضع مقلوب وجزم ابن القیم فی حادی الا رواح** (ص ۲۸۴) بانہ غلط، اھ لیکن صحیح بخاری کی مرویات کی قطعیت صحت کے یہ امر اس لیے منافی نہیں ہے، کہ امام بخاری نے اپنے خاص انداز سے خود ہی معاملہ صاف کر دیا ہے، مصنف علامؒ منہاج السنۃ (ص ۵۹ جلد ۴) میں لکھتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

علمائے حدیث کے یہاں یقینی ہو چکی ہیں- دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اتباع و عمل حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ثقہ راویوں کے ہر ہر لفظ کو یا بظاہر صحیح الاسناد حدیث کو ویسا ہی قطعی اور یقینی سمجھ بیٹھتے ہیں، جیسا ان حدیثوں کا حال ہے جن کی صحت وقطعیت، علمائے حدیث کے نزدیک مسلم ہو چکی ہے- پھر ایسا ہوتا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی معارض صحیح حدیث آ جاتی ہے، تو بے معنی تاویلوں پر اتر آتے ہیں، اور اپنی من مانی حدیث کو مسائل علم میں حجت و دلیل قرار دے لیتے ہیں، حالانکہ علمائے حدیث جانتے ہیں کہ ان کو مانی ہوئی حدیث، غلط ہے-

یہ بات کوئی اٹکل پچو نہیں ہے، بلکہ وہ ٹھوس علمی دلائل ہیں، جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے، اور کبھی دلائل اس حدیث کو یقینی بھی قرار دے دیتے ہیں- اسی طرح ان دلائل سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث، جھوٹی ہے، اور کبھی یہی دلائل قطعیت کے ساتھ ثابت کر دیتے ہیں کہ یقیناً وہ حدیث جھوٹی ہے-

احادیث فضائل

مثلاً وہ حدیثیں، جو بدعتیوں اور غالیوں نے فضائل میں گھڑ لی ہیں، تو یہ حدیثیں قطعی طور پر جھوٹی ہیں، جیسے یوم عاشوراء کے بارے میں، یہ کہ جو کوئی دو رکعت نماز پڑھ لے گا، اسے اتنے نبیوں کا ثواب ملے گا- تفسیروں میں اس قسم کی موضوعات کی بڑی کثرت ہے، مثلاً وہ حدیث،

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لایکا دیروی لفظافیه انتقاد الاویروی اللفظ الاخر الذی یبین انه منتقدفما فی کتابه لفظ منتقد الاوفی کتابه مایبین انه منتقد وقال فی تفسیر سورة الاخلاص اذا رفع فی بعض الروایات غلط ذکر الروایات المحفوظة التی تبین غلط الغالط وقال فی التوسل (۸۱) والبخاری من اعرف خلق الله بالحدیث وعلله مع فقه فیه- اھ

''امام بخاری کی صحیح میں اگر کسی جگہ کوئی ایسا غلط لفظ آ جاتا ہے (جو کسی راوی کا وہم ہو) تو حضرت امامؒ ایسی روایت کا بھی اپنی صحیح میں ذکر فرما دیتے ہیں جو محفوظ اور وہم سے پاک ہوتی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ امام بخاریؒ حدیث کے علل و فقہ کے ماہر ترین شخص ہیں-''

پس مصنف علامؒ کا دوسرے اساطین کے اتباع میں یہ فرمان صحیح ہے- (اهل الحدیث یعلمون صدق متون الصحیحین (منہاج ص ۱۱۳ جلد ۴) واللہ المستعان (ع-ح)

جسے ثعلبی [۱] واحدی، [۲] اور زمخشری [۳] نے قرآنی سورتوں کے فضائل میں روایت کیا ہے اور ہر ہر سورہ کی فضیلت بتائی گئی ہے، تو باتفاق اہل علم یہ حدیث موضوع ہے۔ ثعلبی اگرچہ نیک اور دیندار آدمی تھے، مگر کتب تفسیر میں صحیح، ضعیف، موضوع، جو حدیث بھی دیکھ پاتے، نقل کر لیتے تھے۔ ان کے ساتھی، واحدی اگرچہ عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں، مگر سلامتی اور اتباع سلف سے دور ہو گئے ہیں، لیکن بغوی کی تفسیر [۴] اگرچہ ثعلبی کی تفسیر سے مختصر ہے، مگر ایسی موضوع روایات اور بدعتی آراء سے انہوں نے اسے محفوظ رکھا ہے۔

کتب تفسیر میں موضوعات

کتب تفسیر جیسا کہ بیان ہو چکا، موضوعات کی بھرمار ہے، مثلاً وہ بہت سی حدیثیں جو بسم اللہ کے جہراً پڑھنے میں روایت کی گئی ہیں، یا حضرت علیؓ کے متعلق ایک لمبی حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نے نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تھی۔ تو اہل علم کے نزدیک یہ حدیث موضوع [۵] ہے۔ اسی طرح آیت: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد-۷) کی تفسیر میں روایت ہوا ہے کہ ہادی، سے مراد علیؓ ہیں یا یہ آیت: وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ (الحاقہ) کی تفسیر میں حدیث روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے علیؓ" "تیرا کان"، تو یہ سب حدیثیں موضوع ہیں۔

۱- ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیسابوری، تفسیر میں یکتائے روزگار، وفات ۴۲۷ھ (ابن خلکان ص ۲۲ جلد ۱)

۲- علامہ ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، نحو و تفسیر میں استاد عصر، علامہ ثعلبی کے تلمیذ رشید، متعدد کتابوں کے مصنف، وفات ۴۶۸ھ (ابن خلکان ص ۳۳۲ جلد ۱)

۳- علامہ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المعتزلی، چار دانگ عالم میں شہرت یافتہ، تفسیر الکشاف کے مصنف، نحو و بلاغت کے امام، فرقہ معتزلہ کے سرکردہ عالم، وفات ۵۳۸ھ (ابن خلکان ص ۸۱-۸۴ جلد ۲)۔

۴- اس کا نام معالم التنزیل ہے، مصنفہ علامہ ابو محمد حسین مسعود بن الفراء البغوی الشافعی، حدیث میں مصابیح السنہ و شرح السنہ ان کی تصنیف ہے، وفات ۵۱۶ھ اس تفسیر پر نواب محمد صدیق حسن کا تبصرہ یہ ہے کہ قصص، بے اصل ایزاد کردہ، الا ماشاء اللہ (اکسیر ۱۰۴)۔

۵- یہ ایک طویل حدیث ہے، جسے شیعہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ مصنف علام رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر منہاج السنہ (ص ۳-۹ جلد ۴) میں مفصل کلام فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں چند اور حدیثیں اور آثار بھی ہیں، جنہیں حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا اور ان پر کلام بھی کیا ہے۔ دیکھئے سورہ مائدہ آیہ۔ والذین لایؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون.

فصل (۴)

استدلال کی غلطی اور اس کے مضر نتائج

اختلاف کے دونوں اسباب [1] کی دوسری قسم میں علم کا ذریعہ استدلال ہوتا ہے نہ کہ نقل و روایت- اس قسم میں زیادہ تر غلطی دو جہتوں سے ہوئی ہے جو صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے بعد کی تفسیروں کی پیداوار ہیں- ان تفسیروں میں نہیں، جو صرف انہی بزرگان سلف کے اقوال سے مرتب ہوئی ہیں، مثلاً وہ تفاسیر جو عبدالرزاق، [2] وکیع، [3] عبد بن حمید [4] عبدالرحمٰن [5] بن ابراہیم دحیم نے تیار کی ہیں، اور مثلاً امام احمدؒ اسحاق [6] بن راہویہؒ بقی بن [7] مخلدؒ ابوبکر بن المنذرؒ [8]

۱- صفحہ ۴۱ سے یہاں تک پہلی قسم کا بیان ہوا ہے-

۲- ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، اور حافظ حدیث، امام مالکؒ کے شاگرد، اور امام احمدؒ بن حنبلؒ کے استاد- وفات ۲۱۱ھ-

۳- ابوسفیان وکیع بن الجراح الکوفی، فقہ وحدیث کے امام، وفات ۱۹۶ھ-

۴- امام ابومحمد عبد بن حمید، حافظ حدیث، متعدد کتابوں کے مصنف، ایک تفسیر بھی لکھی تھی- وفات ۲۴۹ھ-

۵- عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن عمرو القرشی، دحیم کے لقب سے شہرت پائی- اصحاب صحاح ستہ کے شیخ فقہیات میں امام اوزاعی کے مسلک کو پسند فرماتے تھے- وفات ۲۴۵ھ (تہذیب ۱۳۱ جلد ۶)

۶- امام ابومحمد اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ- فقہ وحدیث کے مشہور امام- وفات ۲۳۳ھ-

۷- ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد القرطبی، اپنے وقت کے شیخ الاسلام اندلس میں حدیث کا چرچا آپ کی ہی بدولت ہوا، صاحب اجتہاد اہل حدیث، وفات ۲۷۶ (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۴ جلد ۱)

۸- ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوریؒ صاحب اجتہاد اہل حدیث امام متعدد نفیس کتابوں کے مصنف، وسعت نظر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے- وفات ۳۱۸ھ (ابن خلکان ص ۴۶۱ جلد ۱)

سفیان بن عیینہؒ[1]، سنیدؒ[2]، ابن جریرؒ[3]، ابن ابی حاتمؒ[4]، ابوسعید اشجؒ[5]، ابوعبداللہ[6] بن ماجہؒ اور ابن مردویہؒ[7] کی تفسیریں- ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے سے اپنے کچھ عقیدے اور نظریے بنالیے پھر قرآنی الفاظ کو کھینچ تان کران پر منطبق کرنے لگے' اور دوسرے وہ لوگ ہیں' جنہوں نے قرآن کی تفسیر' محض لغت عرب سے کی ہے' اور یہ لحاظ نہیں کیا کہ متکلم قرآن کی مراد کیا ہے' اور اس نے جس پر قرآن نازل ہوا' کیا مطلب بیان فرمایا ہے' اور وہ لوگ جو قرآن کے اولین مخاطب تھے' کیا سمجھے تھے-

پہلی قسم کے لوگوں کی نظر میں صرف اپنے ٹھہرائے ہوئے معنی رہے اور یہ خیال کیا کہ قرآن کے الفاظ کا مطلب و مراد کیا ہے- دوسری قسم والوں کی نگاہ صرف الفاظ پر رہی اور بس یہی دیکھتے رہے کہ عرب ان الفاظ کے کیا معنی بتاتا ہے- مگر متکلم قرآن کے مقصد اور سیاق کلام سے غافل ہو گئے-

نیز آخر الذکر یہ طے کرنے میں بھی اکثر غلطی کر جاتے ہیں کہ قرآنی لفظ' لغوی معنی کا متحمل بھی ہے یا نہیں' جیسا کہ یہی غلطی پہلا گروہ بھی کرتا تھا جن کو اپنے خاص نظریے کے اثبات کی وجہ سے اس سے غرض نہیں ہوتی تھی کہ جو معنی وہ لگا رہے ہیں' چسپاں بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ غرض

۱- ابومحمد سفیان بن عیینہ الکوفی مشہور حافظ حدیث- وفات ۱۹۸ھ-

۲- ابوعلی سعید بن داؤدؒ امام عبداللہ بن مبارک کے شاگرد' ایک تفسیر تصنیف فرمائی- وفات ۲۲۰ھ-

۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ تفسیر' حدیث' فقہ' تاریخ کے مستند و مسلم امام' مصنف علامؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ان کی تفسیر بہترین تفسیر تسلیم کی گئی ہے' مصر میں متعدد مرتبہ طبع ہوئی- وفات ۳۱۰ھ (ابن خلکان ص ۴۵۶ جلد ۱)

۴- ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتمؒ فن حدیث و تفسیر کے ماہر خصوصی' حال ہی میں آپ کی کتاب الجرح والتعدیل حیدرآباد میں طبع ہوئی ہے' جو فن حدیث میں اعلیٰ کتاب شمار ہوتی ہے- وفات ۳۲۷ھ-

۵- ابوسعید عبداللہ بن سعید الکندی الکوفی الاشج' حافظ حدیث اور امام وفات ۲۵۷-

۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعیؒ مشہور حافظ حدیث سنن ابن ماجہ کے مصنف' ایک تفسیر بھی تصنیف فرمائی- وفات ۲۷۳ھ-

۷- حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ الاصبہانی بن مردویہؒ تفسیر' حدیث' تاریخ کے ماہر وفات ۴۱۶ھ (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۸ جلد ۳-)

کہ غلطی میں دونوں گروہ برابر ہیں- فرق یہ ہے کہ پہلے کی نگاہ معنی پر زیادہ رہتی ہے اور دوسرے کی لفظ پر-

پہلے گروہ والے کبھی یہ کرتے ہیں کہ قرآنی لفظ کے معنی ومراد کو سلب کرکے ایسے معنی لگاتے ہیں' جن پر لفظ کی نہ دلالت ہوتی ہے اور نہ وہ مراد ہی ہو سکتے ہیں- اور کبھی قرآنی الفاظ کے ایسے معنی لیتے ہیں' جن کے وہ متحمل نہیں ہوتے- اگر ان کا لگایا ہوا حکم نفی کی صورت میں ہو یا اثبات کی باطل ہے' تو دلیل اور مدلول' دونوں غلط ہو جاتے ہیں- اور اگر حکم صحیح ہے' تو بھی مدلول میں نہ سہی' دلیل میں غلطی پر رہتے ہیں-

مطالب حدیث میں بھی ٹھوکر

تفسیر کی طرح حدیث میں بھی یہی غلطیاں کی گئی ہیں- بدعتی فرقوں نے دلیل و مدلول دونوں میں ٹھوکر کھا کے ایسے ایسے مذہب بنا لیے ہیں' جو حق سے دور ہیں' وہ حق جس پر امت وسط کا اجماع ہو چکا ہے' اور امت وسط کا اجماع' گمراہی پر کبھی نہیں ہو سکتا' ''امت وسط'' سلف صالحین اور ان کے ائمہ ہیں-

بدعتی فرقوں کا قرآن سے برتاؤ

اہل بدعت کا قرآن مجید سے یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ اپنی رائے سے اس کی تاویلیں کرتے ہیں اور کبھی اس کی آیتوں سے اپنے مذہب کی تائید میں ایسے دلائل لاتے ہیں' جن کی متحمل آیتیں نہیں ہوتیں اور کبھی اپنے مذہب کے خلاف پڑنے والی آیتوں کی تاویل میں تحریف سے بھی کام لیتے ہیں' خوارج'[1] روافض' جہمیہ' معتزلہ' قدریہ' مرجیہ وغیرہ فرقوں کی یہی روش ہے-

---

ا- یہ فرقے: خارجی' رافضی' معتزلہ' قدریہ' مرجیہ' جہمیہ' وغیرہ سب بدعتی ہیں' جو مسلک حدیث وسنت اور جماعت صحابہ سے منحرف تھے:

(۱) خارجی' جن کو صحابہ' حروریہ' بھی کہتے تھے کیونکہ حروراء نام جگہ ان کا مرکزی مقام تھا- یہ فرقہ قصہ تحکیم کی پیداوار ہے- حضرت علیؓ سے باغی (خارجی) ہو کر ان سے برسر پیکار ہو گئے تھے' اور حضرت علیؓ کو (خاکم بدہن) کافر کہتے تھے-

(۲) رافضی' شیعوں کا غالی فرقہ ہے' جو (نعوذ باللہ) صدیق اکبرؓ وفاروق اعظمؓ جیسے اجلہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں- رافضی یوں کہلائے' کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن علیؓ کا بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا- (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معتزلہ کا انداز تفسیر

معتزلہ بحث وجدال وکلام میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں- انہوں نے اپنے مذہب کی تائید میں تفسیریں لکھی ہیں' مثلاً امام شافعیؒ سے مناظرہ کرنے والے ابراہیم بن اسماعیل بن علیہ'(۱) کے شیخ عبدالرحمٰنؒ (۲) بن کیسان اصم کی تفسیر یا ابوعلی الجبائی' (۳) کی کتاب' یا قاضی عبدالجبار بن'(۴) احمد ہمدانی کی تفسیر کبیر' یا علی (۵) بن عیسیٰ رمانی کی کتاب' یا ابوالقاسم زمخشری کی

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) (۳) معتزلہ' اس فرقہ کی ابتدا تو واصل بن عطاء سے ہوئی جو اپنی شوریدہ سری کی وجہ سے اپنے استاد حضرت امام حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے علیحدہ ہوگیا اور اسی وجہ سے ان کو معتزلہ کہا جانے لگا (جس کا معنی الگ ہوجانے والا ٹولہ ہے) لیکن عباسیوں کے دور میں اس نے علمی طور پر کافی ترقی کرلی تھی' گویا ان کو اس دور کا ''گریجویٹ طبقہ'' کہنا چاہیے-

(۴) قدریہ' تقدیر الٰہی کے انکاری تھے اور کہتے تھے' انسان اپنی دنیا خود بناتا ہے' اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی دخل نہیں (یعنی انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے) (معاذ اللہ)

(۵) مرجئہ کہتے تھے کہ نجات کے لیے عمل ضروری نہیں خالی خولی ایمان کافی ہے' اور بدکرداری سے ایمان کا کچھ نہیں بگڑتا' عمل ایمان سے موخر ہے-

(۶) جہمیہ جہم بن صفوان اس کا بانی بتایا جاتا ہے جو انتہا درجے کا ملحد اور عیار تھا اور اپنی عیاریوں کی بدولت ۱۲۸ھ میں قتل کردیا گیا-

(ان فرقوں کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے الملل والنحل شہرستانی' خبیئۃ الاکوان' از نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ اور خود مصنفؒ کی تصانیف)

۱- ابراہیم ابن اسماعیل بن علیہ جہمیہ فرقہ کا مناظر تھا- امام شافعیؒ اسے گمراہ کہتے تھے- وفات ۲۱۸ھ (لسان المیزان ص ۳۴ جلد ۱-

۲- ابوبکر عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم- یہ شخص معتزلہ کا فقیہ تھا- بڑا فصیح اور پرہیزگار) لسان المیزان ص ۴۲۷ جلد ۳)

۳- ابوعلی محمد بن عبدالوہاب جبائی' معتزلہ کے اہل قلم اساطین میں ان کا شمار ہے- اہل سنت کی اشعری شاخ کے راہنما حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کا استاد- وفات ۳۰۳ھ (ابن خلکان ص ۴۸۱ جلد ۱)

۴- قاضی عبدالجبار بن احمد الہمدانیؒ معتزلہ کے جلیل القدر عالم' تنزیہ القرآن عن المطاعن' ان کی تصنیف ہے جو ۱۳۲۶ھ میں مصر سے شائع ہوچکی ہے وفات ۴۱۵ھ (لسان المیزان ص ۳۸۶ جلد ۳)

۵- ابوالحسن علی بن عیسیٰ رمانی' ادب' نحو' اور علم کلام کے مشہور عالم' قرآن حکیم کی ایک تفسیر بھی لکھی- وفات ۳۸۲ھ (ابن خلکان صفحہ ۳۳۲ جلد' ۱)

کشاف' یہ سب لوگ مذہب معتزلہ کے قائل ہیں۔

معتزلہ کے اصول خمسہ اور ان کی حقیقت

معتزلہ کے پانچ اصول ہیں' جن کے نام انہوں نے یہ رکھ چھوڑے ہیں: (۱) توحید (۲) عدل (۳) منزلت اوسط (یعنی مرتکب کبائر' نہ مومن نہ کافر (۴) انفاذ وعید اور (۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر' ان کی توحید اسی قسم کی ہے' جیسی جہمیہ کی توحید' اور اس کا مضمون صفات الٰہیہ کی نفی ہے۔ معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدا دیکھتا نہیں' قرآن مخلوق ہے' خدا اس جہان کے اوپر نہیں' اس کے ساتھ نہ علم ہے' نہ قدرت' نہ حیات' نہ سننا' نہ دیکھنا' نہ کلام' نہ مشیت' نہ کوئی اور صفت۔

اور ان کے ''عدل'' کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے نہیں چاہا تھا کہ یہ سب کائنات ہو۔ اس نے اس سب کو پیدا بھی نہیں کیا ہے' وہ اس سب پر قادر بھی نہیں ہے' اور کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال خیر ہوں یا شر' خدا نے پیدا نہیں کیے۔ خدا نے بس وہی چاہا ہے جس کا شریعت میں حکم دیا ہے' اس کے علاوہ بندون کے جتنے افعال ہیں' اس کی مشیت کے بغیر ہیں' اس بارے میں متاخرین شیعہ' مثلاً المفید[۱] اور ابو جعفر طوسی[۲] وغیرہ نے معتزلہ کا ساتھ دیا ہے' اور اسی طریقہ پر تفسیر لکھ دی ہے' لیکن اس میں امامیہ[۳] اثنا عشریہ کے خاص عقائد بھی شامل کر گئے ہیں' حالانکہ کوئی معتزلی ان کا قائل نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی خلافت سے معتزلہ انکار نہیں کرتے' آخرت مین انفاذ وعید کے اصول میں معتزلہ' خوارج کے ہم نوا ہیں' کہتے ہیں کبیرہ گناہوں کے مرتکبوں کے لیے نہ شفاعت ہے نہ ان میں سے کوئی جہنم سے نکل سکے گا۔

بلاشبہ مرجیہ' کرامیہ'[۴] کلابیہ[۵] وغیرہ فرقوں کی طرف سے ان کے رد میں بہت کچھ لکھا

۱- ابوعبداللہ محمد بن محمد بن نعمان شیخ الرفض ''مفید'' کے لقب سے شہرت یافتہ قریباً سو کتابوں کا مصنف' صحابہؓ پر تبرائی - وفات ۴۱۳ھ (لسان المیزان ۳۶۸ جلد ۵)

۲- ابوجعفر محمد بن حسن طوسی۔ مفید صاحب کا شاگرد شیعی طرز پر تفسیر قرآن کا مصنف' وفات ۴۶۰ھ (لسان المیزان ص ۱۳۵ جلد ۵)۔

۳- شیعوں کا وہ فرقہ جو بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔

۴- ایک بدعتی فرقہ محمد بن کرام کی طرف منسوب۔

۵- ایک فرقہ عبداللہ بن سعید ابن کلاب کی طرف منسوب۔

گیا ہے- یہ سب گروہ اس بحثا بحثی میں ٹھیک بھی راہ چلے ہیں' لیکن کبھی ایسے بھٹکے ہیں کہ غلو کے مقابلے میں غلو کرتے ہوئے بالکل نقیض کی حد پر پہنچ گئے ہیں' جیسا کہ کسی اور جگہ یہ بحث تفصیل سے کی گئی ہے-

یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ ان لوگوں نے پہلے سے ایک رائے پر عقیدہ جمالیا' اس کے بعد قرآنی الفاظ کو اس پر چسپاں کرنے لگے' حالانکہ اس بارے میں انہیں سلف صالحین سے کوئی روشنی نہیں ملی' نہ صحابہؓ سے' نہ تابعین سے' نہ ائمہ مسلمین سے' ان کی باطل تفسیروں میں کوئی تفسیر نہیں' جس کا بطلان ظاہر نہ ہو- ان کے اقوال سے ان کے دلائل سے' مخالف کو ان کے جواب سے' غرض کہ کسی نہ کسی جہت سے بطلان ظاہر ہو جاتا ہے-

عبارت آرائی کا فتنہ

ان میں ایسے بھی ہیں جو حسین عبارت لکھتے ہیں' فصاحت کے مالک ہیں اور اپنی تحریروں میں بدعتیں اس طرح چھپا دیتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی - مصنف کشاف[1] ہی کو دیکھو کس طرح ایسے لوگوں میں بھی باطل کو رواج دے دیتا ہے' جو باطل کے معتقد نہیں ہوتے-

چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ علماء و مفسرین اپنی کتابوں میں ان لوگوں کی تفاسیر سے ایسی چیزیں بھی لے لیتے ہیں' جو ان کے باطل اصول کے مطابق ہوتی ہیں- حالانکہ ان اصولوں کو تو فاسد ہی یقین کرتے ہیں' مگر نادانستہ ان کی گمراہیاں نقل کر جاتے ہیں-

ان لوگوں کی بے راہ روی اور ضلالت ہی نے رافضیہ' امامیہ' فلاسفہ اور قرامطہ وغیرہ کو موقعہ دیا کہ مسلمانوں میں گھس آئیں اور اپنی گمراہیاں پھیلایا کریں- فلاسفہ' قرامطہ' رافضہ نے تو قرآن کی ایسی ایسی تفسیریں کی ہیں کہ آدمی بس تعجب کرتا ہی رہ جاتا ہے-

---

۱- تفسیر کشاف پر تفصیلی تبصرہ کے لیے دیکھو کشف الظنون ص ۳۰۹-۳۱۶ جلد ۲ و اکسیر فی اصول التفسیر از مولانا سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ- ایک محدث فرماتے ہیں کہ میں نے کشاف کے ایک مقام سے اعتزال موچنے سے نکالا ہے (اتقان ص ۱۹۰- جلد ۲) راقم عرض کرتا ہے' ہمارے زمانے کی بعض عربی تفسیروں اور بعض اردو تراجم و تفاسیر کا بھی یہی حال ہے کہ ساحرانہ انداز بیان میں کج روی (الحاد) سمو دی گئی ہے- بڑی احتیاط سے ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے-

روافض کی تفسیروں کے نمونے

رافضیوں کی تفسیر کا نمونہ دیکھو، کہتے ہیں: "تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ" ابولہب کے دونوں ہاتھوں سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ "لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" یعنی خلافت میں اگر علیؓ کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ کو شریک کر دیا تو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیرے عمل رائیگاں جائیں گے! "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔" جس گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ عائشہؓ ہیں! "قَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔" یعنی طلحہؓ و زبیرؓ! "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ" سے مراد علیؓ و فاطمہؓ ہیں! "اَللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ" حسنؓ و حسینؓ ہیں! "كُلُّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ" میں امام مبین، علیؓ ہیں! "عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ" علیؓ بن ابی طالب! اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔" (المائدہ:۵۶۰۸) سے مراد علیؓ ہے!

یہ لوگ ایک لمبی حدیث بھی روایت کیا کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز پڑھتے ہوئے اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تھی، حالانکہ باتفاق اہل علم یہ حدیث موضوع ہے۔[1] اسی طرح یہ لوگ کہتے کہ آیت "اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ" (البقرہ۱۹:۱۵۷) حضرت علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی، جب حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے!

مندرجہ ذیل تفسیریں بھی بعض وجوہ سے اسی قبیل سے کہی جا سکتی ہیں۔ مثلاً بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیہ "اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ" (آل عمران۲:۱۷) میں صابرین سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، صادقین سے مراد ابوبکرؓ ہیں، قانتین سے مراد عمرؓ ہیں منفقین سے مراد عثمانؓ ہیں اور مستغفرین سے مراد علیؓ ہیں۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ آیت: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح ۴:۲۵) میں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے مراد ابوبکرؓ ہیں، اشداء علی الکفار سے عمرؓ رحماء بینھم سے عثمانؓ اور تراھم رکعاً سجدا سے مراد علیؓ ہیں! اس سے بھی زیادہ عجیب وہ تفسیر ہے جو بعضوں نے سورہ تین کی کی ہے۔ لکھتے ہیں "وَالتِّيْنِ" یعنی ابوبکرؓ! "وَالزَّيْتُوْنِ" یعنی عمرؓ "وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ" یعنی عثمانؓ! وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ"

۱۔ اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ ص ۷۰

یعنی علیؓ۔

خرافاتی تفسیریں

اس قسم کی خرافاتی تفسیروں میں کبھی یہ ہوتا ہے کہ لفظ کے ایسے معنی لگا لیے جاتے ہیں، جو اس کے ہرگز نہیں ہوتے، چنانچہ ان تفسیروں کے جو نمونے اوپر دیے گئے ہیں، ان میں قرآنی الفاظ ان اشخاص پر دلالت نہیں کرتے جنہیں مراد لیا گیا ہے۔ آیت وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح) میں جو صفتیں ذکر کی گئی ہیں، ان لوگوں کی ہیں، جو رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے نحویوں نے ''خبر بعد خبر'' کی اصطلاح تجویز کی ہے۔ یعنی یہ سب صفتیں ایک ہی موصوف کی ہیں اور وہ موصوف، اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہٰذا ان میں سے محض ایک شخص کو مراد لینا جائز نہیں۔

اور کبھی ان خرافاتی تفسیروں میں قرآن کے مطلق عام لفظ کو شخص واحد پر منحصر کر دیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ''اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کی تفسیر میں کہنا کہ مراد صرف علیؓ ہیں، یا بعضوں کا کہنا کہ آیت ''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ'' (زمر ۳:۳۴) سے مراد صرف ابوبکرؓ ہیں۔ اور ''لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ'' (الحدید ۱:۱۰) سے بھی مراد محض ابوبکرؓ ہیں۔

ابن عطیہ [1] اور ان جیسے لوگوں کی تفسیریں زمخشری کی تفسیر کے مقابلے میں مسلک سنت و جماعت کی زیادہ پابند اور بدعت سے بہت کچھ محفوظ ہیں۔ ابن عطیہؒ اگر صرف ماثور تفاسیر سے سلف صالحین ہی کے اقوال نقل کرتے، تو کہیں بہتر و مستحسن ہوتا، مگر وہ کرتے یہ ہیں کہ محمد بن جریر کی تفسیر سے جو نہایت جلیل القدر اور عظیم الشان تفسیر ہے، نقل کرتے کرتے خود ابن جریرؒ کی منقولات سلف کو چھوڑ کر کچھ اور شروع کر دیتے ہیں کہ محققین کا یہی قول ہے، حالانکہ وہ محققین کا

۱۔ مفسرین میں ابن عطیہ، دو شخص ہیں، ایک کی وفات ۳۸۳ھ کی ہے۔ ان کا نام ابومحمد عبداللہ بن عطیہ دمشقی ہے (مفتاح السعادۃ ص ۱۹۷ جلد ۱۔ طاش کبری زادہ) دوسرے بزرگ ابومحمد عبدالحق بن ابی بکر غرناطی ہیں۔ جن کی وفات ۵۴۲ھ میں ہوئی ہے۔ مصنف علامؒ کے کلام میں وہی مراد ہیں۔ ان کی تفسیر کا نام ''المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز'' ہے علامہ ابوحیان فرماتے ہیں: ''هو اجل من صنف فی علم التفسیر'' (کشف الظنون ص ۳۹۳ جلد ۲)

نہیں بلکہ متکلمین کا قول ہوتا ہے جنہوں نے اپنے اصول اسی راہ کے ٹھہرائے ہیں' جو معتزلہ کی راہ ہے' اگرچہ وہ معتزلہ کی بہ نسبت سنت سے زیادہ قریب ہیں۔

مخالف سلف تفسیر بدعت کی راہ ہے

ضروری ہے کہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھا جائے اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملایا جائے' کسی آیت کی تفسیر میں صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہؒ کے اقوال موجود ہوتے ہوئے جب لوگ اپنے ٹھہرائے ہوئے مذہب کی پچ میں دوسری تفسیریں کرنے لگیں' اور ان کا مذہب صحابہؓ و تابعینؒ کے مذاہب کے مطابق نہ ہو' تو وہ لوگ اپنی اس حرکت سے معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقوں کے شریک کار بن جاتے ہیں۔

غرض کہ جو کوئی صحابہ و تابعین کے مذہب اور ان کی تفسیر سے ہٹ جاتا اور مخالف مسلک اختیار کرتا ہے' وہ غلطی کرتا ہے بلکہ بدعتی بن جاتا ہے' اب اگر اس نے اجتہاد کی راہ سے ایسا کیا ہے' تو خدا اس کی غلطی معاف کر دے گا۔ یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ علم کے طریقے دلائل اور راہ صواب کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ نے تابعینؒ نے' تبع تابعینؒ نے قرآن پڑھا تھا' اور اس کی تفسیر و معانی کا اسی طرح سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے' جس طرح اس حق کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے' جسے دے کر خدا نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔ اب جو کوئی ان سلف صالحین سے کٹ کر الگ راہ چلتا اور ان کی تفسیر کے خلاف تفسیر کرتا ہے' تو بے شک دلیل و مدلول دونوں میں غلطی کا مرتکب ہوتا ہے' لیکن اگر اس کی مخالفت کسی عقلی و سماجی شبہے کی بنا پر ہے' جس کی تصریح کرتا ہے' تو اس کا معاملہ جدا ہے' اور اپنی جگہ پر اس سے بحث کی گئی ہے۔

فصل (٥)

نتیجہ بحث سابق

یہاں بتانا یہ ہے کہ تفسیر میں جو اختلاف نظر آ رہا ہے کس سبب سے پیدا ہو گیا ہے؟ سو واضح رہے کہ اس اختلاف کا ایک سب سے بڑا سبب باطل بدعتوں کا ظہور ہے۔ بدعتی لوگوں نے تحریف سے کام لیا' اور کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کے ایسے معنی لگائے جو اس کے نہیں تھے' اور ایسی تاویلوں کے تیر چلائے جن کا وہ متحمل نہ تھا۔

لہٰذا یہ بنیادی چیز ہے کہ آدمی اس قول کو اچھی طرح جانے اور سمجھے جس کی بدعتیوں نے مخالفت کی ہے' اور یقین کرے کہ وہی قول حق ہے۔ پھر تفصیلی طریقوں سے معلوم ہونا چاہیے کہ بدعتیوں کی تفسیر میں کیا خرابیاں ہیں' اور یہ اسی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ حق پر خدا کی طرف سے منصوب و قائم دلائل و براہین کی پوری معرفت حاصل ہو۔

متاخرین سے جیسی غلطیاں قرآن کی تفسیر میں ہوئی ہیں ویسی ہی حدیث پر ان کی شرحوں [1] اور تفسیروں میں بھی پیش آئی ہیں۔

تفسیر میں جن لوگوں سے مدلول میں نہیں' بلکہ دلیل میں غلطیاں ہوئی ہیں' ان میں بہت

١۔ شارحین حدیث میں جن لوگوں کا تعلق اشعری اور ماتریدی علم کلام سے ہے ان کا یہی حال ہے کہ وہ اسی نقطۂ نگاہ کو شرح حدیث میں سامنے رکھتے ہیں' جو ان کے متعلق مکتب فکر کا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قاضی ابن العربی مالکی' قاضی عیاض مالکی' علامہ نوویؒ شافعی' امام بیہقی شافعی' حافظ ابن الجوزی حنبلی' ملا علی قاری حنفی' وغیرہم نے آیات متعلقہ صفات الٰہیہ کی شرح و تفسیر میں وہی انداز اختیار کیا ہے' جو معتزلہ سے ماخوذ ہے۔ لیکن واضح رہے کہ حق و صواب وہی مسلک ہے جس پر ظواہر نصوص دال ہیں اور جو ائمہ سلف اور اہل حدیث اصحابہ ستہ وغیرہم۔ کا مسلک ہے اور یہی عقیدہ صحیح بھی ہے۔ فان الحق احق بالاتباع' واللہ اعلم۔

سے صوفی' واعظ' فقہاء وغیرہ بھی ہیں- یہ لوگ جو معنی کرتے ہیں گو وہ اپنی جگہ صحیح ہوں مگر قرآن ان پر دلالت نہیں کرتا' چنانچہ ابوعبدالرحمٰن (۱) کی حقائق التفسیر ایسی غلطیوں سے بھری پڑی ہے' اور جب یہ لوگ اپنی تفسیر میں غلط معانی بھی بیان کرتے ہیں' تو پہلی قسم کے لوگوں میں داخل ہو جاتے ہیں' جو دلیل میں بھی باطل پر ہیں اور مدلول میں بھی باطل پر ہیں-

---

۱- ابوعبدالرحمٰن محمد بن عبدالرحمٰن السلمی اپنے زمانے کے صوفیوں کا شیخ اور مورخ تھا بلکہ ان کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا- حقائق التفسیر ان ہی کے لیے تصنیف کی (لسان المیزان ص ۱۴۰ جلد ۵) اس تفسیر میں بقول حافظ ابن الصلاح ایسی تفسیر بھی ہے جو کفر تک پہنچا سکتی ہے (اتقان ص ۱۸۴ جلد ۲' اکسیر ۷۴-)

فصل (۶)

تفسیر کا صحیح طریقہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر، خود قرآن سے کی جائے۔ قرآن میں جو مضمون ایک جگہ مجمل ہے، دوسری جگہ مفصل ملے گا' اور جہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی' اور اگر اس میں کامیاب نہ ہوسکو' تو سنت کی طرف رجوع کرو' جو قرآن کی شرح و تفسیر کرتی ہے' بلکہ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ نے تو یہاں تک فرمادیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حکم بھی دیا ہے' وہ قرآن ہی سے ماخوذ[1] ہے۔

خدا فرماتا ہے:

اِنَّـا اَنْـزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا۔ (النساء ۱۰۵:۱۶)

"بلاشبہ اتاری ہم نے تیری طرف کتاب سچی تا کہ فیصلہ کرے تو لوگوں کے درمیان ساتھ اس کے جو سمجھا دے تجھ کو (اے نبی ﷺ) اللہ' اور مت ہو تو خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والا۔"

اور فرماتا ہے:

وَاَنْـزَلْـنَـا اِلَیْکَ الـذِّکْـرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ (النحل ۴۴:۱۶)

"اور اتاری ہم نے تیری طرف یہ کتاب تا کہ وضاحت کرے تو لوگوں کے لیے ان مضامین کی جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں' اور تا کہ وہ غور کیا کریں۔"

۱- الرسالہ از حضرت امام شافعیؒ ص ۹۲ طبع احمد شاکر۔

وما انزلنا الیک الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه هدی ورحمة لقوم یومنون (النحل ۸:۱۴)

''اور ہم نے تم پر (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کتاب اسی لیے نازل کی ہے کہ تم کھول کر بتادو (ان کو وہ باتیں جن میں یہ باہم مختلف ہیں اور نیز یہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے''

اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: معلوم ہے کہ مجھے قرآن بھی بخشا گیا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی۔''[1] اور یہ مثیل قرآن سنت ہے۔ سنت بھی نازل ہوتی تھی، البتہ قرآن کی طرح اس کی تلاوت نہیں رکھی گئی۔ امام شافعیؒ وغیرہ نے اسے بکثرت دلائل سے واضح کیا ہے۔ جس کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر، خود قرآن ہی سے طلب کرو اور اگر نہ پاؤ، تو سنت میں تلاش کرو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا، جب انہیں یمن روانہ کرنے لگے ''کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟'' معاذؓ نے عرض کیا: کتاب اللہ سے، فرمایا ''اور اگر اس میں نہ ملے؟'' معاذؓ نے عرض کیا تو سنت رسول اللہ ﷺ سے۔ فرمایا ''اگر سنت میں بھی نہ پایا؟'' عرض کیا تو اس صورت میں اپنے اجتہاد رائے سے کام لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر معاذؓ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا ''خدا کا شکر، جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو وہ توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے!'' یہ حدیث اچھی اسناد کے ساتھ کتب مسانید وسنن میں موجود ہے۔[2]

لیکن جب ہمیں قرآن اور سنت میں تفسیر نہ ملے، تو ہمیں اس کی جستجو اقوال صحابہؓ میں کرنا چاہیے، کیونکہ مخصوص قرائن وحالات کے مشاہدے کی وجہ سے وہ مطالب قرآن، سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اور مکمل فہم وعمل صالح کے مالک تھے، خصوصاً ان کے علماء واکابر، جیسے خلفائے اربعہؓ اور ہدایت یاب ائمہ، جیسے عبداللہ بن مسعودؓ امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ؒ نے اپنی

۱۔ یہ روایت مشکوٰۃ کتاب الاعتصام میں بحوالہ سنن ابوداؤد، دارمی مسند احمد وغیرہ ہے۔ تنقیح الرواۃ میں علمائے حدیث سے نقل فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

۲۔ حضرت معاذؓ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی وغیرہ کے کتاب القضاء میں ہے۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے (تلخیص الحبیر ص ۴۰۱، عون المعبود ص ۳۳۱ جلد ۳ تحفۃ الاحوذی ص ۲۷۶ جلد ۳)

اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے "قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی' جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو' کس کے حق میں نازل ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ اگر میں کسی ایسے شخص کو جانتا' جو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے' اور اس کے پاس سواری سے پہنچا جا سکتا' تو میں ضرور اس کے پاس جا پہنچتا۔"(۱) اور اعمش (۲) نے اپنی اسناد سے انہی عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول روایت کیا ہے۔ "ہم میں سے کوئی جب دس آیتیں پڑھتا تھا' جب تک ان آیتوں کے معانی کی معرفت حاصل نہ کر لے اور ان پر عمل میں بھی پختہ نہ ہو جائے۔"(۳)

انہی ہدایت یاب ائمہ میں سے رسول اللہ ﷺ کے ابن عم' ترجمان القرآن حبر الائمہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت دعا سے بحر العلوم بن گئے تھے۔ فرمایا تھا "خدایا! اسے دین میں تفقہ اور قرآن کا فہم بخش دے۔"(۴)

ابن جریرؒ نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے۔ "ابن عباسؓ قرآن کے کیا ہی خوب ترجمان ہیں!"(۵) عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول' ابن عباسؓ کے حق میں کئی طریقوں سے مروی ہے' لہٰذا یقین ہے کہ ابن مسعودؓ نے یہی کہا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا۔ صحیح روایت یہی ہے' لیکن عبداللہ بن عباسؓ ان کے بعد بھی چھتیس سال زندہ ہے۔ اندازہ کر لو کہ ابن مسعودؓ کے بعد اس طویل مدت میں عبداللہ بن عباسؓ کے علوم میں کتنا بہت اضافہ ہو گیا ہوگا؟ اعمش سے ابو وائلؒ (۶) نے بیان کیا کہ "امیر المومنین علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا' اور عبداللہؓ نے اپنے خطبے میں سورہ بقرہ (یا سورہ نور) تلاوت کر کے ایسی تفسیر بیان کی کہ اگر روم' ترک' دیلم کے کفار بھی سن لیتے' تو ضرور اسلام لے آتے۔"(۷)

اسماعیل (۸) بن عبدالرحمٰن سدی (کبیر) اپنی تفسیر میں زیادہ تر ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ ہی

۱۔ تفسیر ابن جریر ص ۳۵ جلد ۱۔ ۲۔ سلیمان بن مہران الاعمش الکوفی۔

۳۔ ایضاً تفسیر ابن جریر۔ ۴۔ مسند امام احمد طبع احمد شاکر ص ۱۵ جلد ۵۔

۵۔ تفسیر ابن جریر ص ۴۰ جلد ۱۔ ۶۔ ابو وائل عبداللہ بن بحیر واعظ۔ (تہذیب ۱۵۳ جلد ۵)

۷۔ تفسیر ابن جریر ص ۳۶ جلد ۱۔

۸۔ سدی کبیر لقب ہے' اسماعیل بن عبدالرحمٰن کوفی محدثین کے ہاں ان کا پایہ بلند نہیں ہے' اگرچہ بالکل ساقط بھی نہیں' وفات ۱۲۷ھ (تہذیب) لیکن سدی صغیر (محمد بن مروان) ساقط الاعتبار ہے۔ (تہذیب)

کے اقوال روایت کرتے ہیں، لیکن بعض اوقات ان کی زبانی اہل کتاب کے اقوال بھی نقل کر جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے، فرمایا "میری طرف سے دوسروں کو پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو، اور بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں حرج نہیں، لیکن جو کوئی جان بوجھ کر میری نسبت جھوٹ بولے، دوزخ میں اپنا ٹھکانا بھی بنا لے۔" یہ حدیث بخاری نے عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے۔(۱)

انہی عبداللہ بن عمروؓ کو جنگ یرموک میں دو بوجھ اہل کتاب کی کتابوں کے دستیاب ہو گئے تھے، اور وہ اسی حدیث سے اجازت سمجھنے کی بنا پر ان کتابوں سے روایت کرنے لگے تھے۔

اسرائیلی روایات کی حیثیت

لیکن یہ یاد رہے کہ اسرائیلیات، استشہاد کے لیے تو روایت کی جا سکتی ہیں، مگر اعتقاد کے لیے نہیں، کیونکہ اسرائیلیات تین قسم کی ہیں، وہ جن کی صحت ہمارے پاس کی ہدایت سے معلوم ہو چکی ہے، تو ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں، اور وہ جن کا جھوٹ ہمارے پاس کی ہدایت سے ثابت ہے، ظاہر ہے ہم ان کے بطلان کے قائل ہیں، اور تیسری قسم ایسی ہے جس کے بارے میں ہماری ہدایت خاموش ہے، نہ تصدیق کرتی ہے نہ تکذیب، تو ایسی اسرائیلیات پر ہم نہ ایمان رکھتے ہیں نہ انہیں جھٹلاتے ہیں۔ ان کی روایت زیادہ سے زیادہ استشہاد کے لیے جائز ہو سکتی ہے۔

لیکن اکثر و بیشتر اسرائیلیات ایسی ہیں کہ ان سے دین میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے خود علماء اہل کتاب کا بھی ان میں بڑا اختلاف ہے، لیکن ان اسرائیلیات کی وجہ سے بھی مفسرین میں اختلاف پڑ گیا ہے، جیسا کہ یہ اختلاف کہ اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ یا یہ کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کس درخت کی لکڑی کا تھا؟ وہ کون پرندے تھے جنہیں خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے زندہ کر دیا تھا؟ گائے کا وہ کون سا حصہ تھا، جس سے مقتول کو مارا گیا تھا؟ اور وہ کونسا درخت تھا، جس میں سے خدائے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا؟ وغیرہ امور جنہیں خدا نے قرآن میں مبہم رکھا ہے، اور ان کے علم سے کسی کو دنیا میں یا دین میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا، مگر اس بارے میں اہل کتاب کا اختلاف نقل کرنا جائز ہے، جیسا کہ خود خدا نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے:

۱۔ مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔

سیقولون ثلاثة رابعهم کلبهم' ویقولون خمسة سادسهم کلبهم' رجماً بالغیب ویقولون سبعة وثامنهم کلبهم قل ربی اعلم بعدتهم ما یعلمهم الا قلیل فلا تمار فیهم الا مرآء ظاهراً و لا تستفت فیهم منهم احداً- (کہف ۲۲:۳)

''بعض کہیں گے کہ وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا' اور بعضے کہیں گے' کہ پانچ ہیں' چھٹا ان کا کتا' یہ لوگ بے تحقیق بات ہانک رہے ہیں اور بعض کہیں گے کہ وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے تم (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو' میرا رب ان کا شمار خوب جانتا ہے' تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں- تم سرسری گفتگو ہی اس سلسلے میں کرو اور کسی سے بھی اس کے متعلق دریافت نہ کرو-''

اس آیت کریمہ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ایسے مقام میں کس ادب سے کام لینا اور کون سی روش اختیار کرنا چاہیے- اللہ تعالیٰ نے تین اقوال کا تذکرہ کیا ہے- پہلے دو قولوں کی تضعیف فرمائی ہے اور تیسرے قول پر سکوت برتا ہے- اس سے معلوم ہوا کہ یہی قول صحیح ہے' اس لیے کہ اگر یہ باطل ہوتا' تو پہلے دونوں اقوال کی طرح اس کی بھی تردید فرما دی جاتی- پھر ہماری اس طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد کا جاننا بے فائدہ ہے' اور ایسے موقعہ پر ہمیں بس یہ کہہ دینا مناسب ہے- ''**قل ربی اعلم بعدتهم**'' اور یہ اس لیے کہ ان کی صحیح تعداد کم ہی لوگوں کو معلوم ہے' اور یہ لوگ وہی ہیں' جن پر خدا نے یہ چیز ظاہر فرمائی ہے' اسی لیے فرمایا ''**فلا تمار فیهم الا مرآء ظاهرا**'' یعنی اس بے فائدہ بحث میں اپنے آپ کو نہ ڈالو اور لوگوں سے پوچھ گچھ بھی نہ کرو' کیونکہ انہیں اصلیت کی خبر نہیں' محض اٹکل پچو باتیں کیا کرتے ہیں-

اس آیت نے ہمیں یہ بھی تعلیم دی کہ جب کسی مختلف فیہ واقعہ کا تذکرہ کرو تو اسی جگہ تمام اقوال کا بھی تذکرہ کر کے صحیح قول کی طرف اشارہ کر دیا کرو' تا کہ بحث طول نہ پکڑے' اور لوگ بے فائدہ قیل وقال میں پڑ کر اہم مسائل سے غافل نہ ہو جائیں-

جب کسی مسئلے میں آدمی اختلاف کا تذکرہ کرتا ہے اور لوگوں کے تمام اقوال جمع نہیں کرتا' تو

کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے' اس لیے کہ ممکن ہے وہی قول حق ہو' جسے چھوڑ دیا گیا ہے' اسی طرح اگر اختلاف کا ذکر کر کے صحیح قول کو بیان نہیں کرتا' تو بھی نقص کا شکار ہوتا ہے' اور اگر عمداً غیر صحیح کو صحیح بتاتا ہے' تو کذب کا گناہ کرتا ہے' اور اگر جہل کی راہ سے ایسا کرتا ہے' تو غلطی کا شکار ہوتا ہے- اسی طرح جو شخص لا طائل اختلاف کا ذکر کرتا ہے' یا ایسے بہت سے اقوال نقل کرنے بیٹھ جاتا ہے' جو معنی کے لحاظ سے ایک دو قول ہی ہوتے ہیں' تو وقت عزیز برباد کرتا ہے' اور جو کوئی غیر صحیح اقوال جمع کرتا ہے' دغابازی کا مرتکب ہوتا ہے- واللہ الموفق للصواب (خدا ہی درست راہ کی توفیق بخشنے والا ہے-)

فصل (۷)

تفسیر میں تابعینؒ کے اقوال کی حیثیت

اور جب تفسیر نہ قرآن میں ملے' نہ سنت میں' نہ اقوال صحابہؓ میں' تو ایسی صورت میں بہت سے ائمہ' اقوال تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں' مثلاً مجاہد بن جبرؒ کی طرف جو علم تفسیر میں خدا کی ایک نشانی تھے- محمد بن اسحاقؒ نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ مجاہدؒ کہتے تھے- ''میں نے مصحف قرآنی شروع سے آخر تک تین مرتبہ عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے پیش کیا- ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور تفسیر پوچھتا تھا-''(۱) اور ترمذی نے اپنی اسناد سے مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے- ''قرآن میں کوئی آیت نہیں' جس کی تفسیر میں کچھ نہ کچھ میں نے سنا نہ ہو-'' ترمذی ہی کی روایت ہے کہ مجاہدؒ نے کہا' اگر میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات لی ہوتی' تو قرآن کے بارے میں ابن عباسؓ سے بہت کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی-''(۲)

ابن جریرؒ نے ابن ابی ملیکہ (۳) سے روایت کیا ہے کہ میں نے مجاہدؒ کو دیکھا کہ اپنے کاغذ لیے ابن عباسؓ کے پاس پہنچے اور تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کرنا شروع کیا- ابن عباسؓ نے فرمایا' لکھتے جاؤ' اسی طرح مجاہد نے پوری تفسیر پوچھ لی- اسی لیے سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے- ''جب مجاہدؒ سے تفسیر ملے' تو یہ تمہارے لیے کافی ہے-''(۴)

اسی طرح دوسرے تابعین و تبع تابعین ہیں' جن کا پایہ تفسیر میں بلند ہے' مثلاً سعید بن جبیرؒ عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ عطاء بن ابی رباح' حسن بصریؒ(۵) مسروق بن الاجدعؒ(۶) سعید بن المسیبؒ' ابو العالیہ' (۷) ربیع'(۸) قتادہ' ضحاک'(۹) بن مزاحم وغیرہ اور ان کے بعد کے علماء

۱- تفسیر ابن جریر ص ۴۰ جلد ۱- ۲- شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس میں تشریح الفاظ بھی ساتھ ہوں گے-

۳- عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہؒ تابعی (تہذیب) ۴- تفسیر ابن جریر ص ۴۰ ج ۱-

۵- امام حسن بن ابی الحسن البصری ابو سعید کنیت مشہور شخصیت' وفات ۱۱۰ھ (تہذیب صفحہ ۲۶۳ جلد ۲-

۶- ابو عائشہ مسروق بن الاجدع الکوفی تابعی- وفات ۶۳ھ - ۷- ابو العالیہ رفیع بن مہران البصری کبار تابعین سے تھے- وفات ۹۰ھ- ۸- ربیع بن انس الکندی تابعی ہیں' وفات ۱۳۹ھ-

۹- ابو القاسم ضحاک بن مزاحم الخراسانی- یہ بزرگ بھی تابعی ہیں- تفسیر میں ان کی زیادہ شہرت تھی- وفات ۱۰۵ھ-

صالحین۔"

مختلف اقوال میں تطبیق کی ضرورت

آیت کی تفسیر میں ان حضرات کے اقوال نقل کرنا چاہیے' مگر ان اقوال کے مختلف لفظ دیکھ کر بے علم لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کا آپس میں اختلاف ہے' اور اسی وہم کی بنا پر ان اقوال کو اختلافات کہہ کر پیش کرنے لگتے ہیں' حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہوتا۔ کسی قول میں چیز کے لازم یا نظیر کو بیان کیا ہوتا ہے' اور کسی قول میں بعینہ اسی چیز کا تذکرہ ہوتا ہے۔ الفاظ تو مختلف ہوتے ہیں' مگر معناً ان میں اختلاف نہیں ہوتا' بلکہ ایک ہی چیز کا جدا جدا لفظوں میں بیان و اظہار ہوتا ہے۔ سلف کی تفسیروں میں ایسا بہت نظر آتا ہے۔ لہٰذا اسے سمجھنا اور خیال میں رکھنا چاہیے۔ واللہ الھادی!

شعبہ[1] بن الحجاجؒ وغیرہ کہتے ہیں' تابعین کے اقوال جب فروع احکام میں حجت نہیں' تو تفسیر قرآن میں کیونکر حجت ہو سکتے ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ خلاف جانے والوں پر حجت نہیں ہوں گے' اور یہ صحیح ہے' لیکن جب تابعین کا اجماع ہو جائے' تو بلاشبہ وہ حجت ہے۔ ہاں جب ان میں اختلاف ہو' تو ایک تابعی کا قول نہ دوسرے تابعی پر حجت ہو گا' نہ بعد والوں پر بلکہ ایسی صورت میں تفسیر کرتے ہوئے قرآن و سنت کی زبان کو' عام لغت عرب کو' یا اقوال صحابہؓ کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالرائے حرام ہے

لیکن محض رائے سے من گھڑت تفسیر کرنا' حرام ہے ابن عباسؓ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص بغیر علم کے قرآن میں گفتگو کرتا ہے' اپنے لیے دوزخ میں ٹھکانا بنا لے۔" یہی حدیث ایک اور طریقہ سے بھی ابن عباسؓ سے روایت ہوئی ہے۔[2] سنن ترمذی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہے اور اس کا کہنا صحیح ہو' تو بھی وہ غلطی کا مرتکب ہے۔" ترمذی نے اس حدیث کو غریب"[3] بتایا ہے اور بعض علماء حدیث نے اس کے ایک راوی سہیلؒ بن ابی حزم کے ثقہ ہونے میں کلام کیا ہے۔[4]

١۔ حافظ حدیث ابو بسطام شعبۃ بن الحجاج الواسطی البصریؒ - وفات ١٦٠ھ تفصیلات کے لیے دیکھو (تہذیب ص ٣٣٨۔ ٣٤٦ جلد ٤) ٢۔ مشکوۃ کتاب العلم فصل دوسری۔

٣۔ یعنی ایک سند والی روایت۔ ٤۔ مشکوۃ ایضاً بروایت حضرت جندبؓ۔

ممانعت کی انہی حدیثوں کی بنا پر بعض اہل علم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ اس بارے میں سخت تھے کہ کوئی شخص بغیر علم کے تفسیر قرآن کرنے بیٹھ جائے' مجاہد اور قتادہ و غیر علماء نے بیشک تفسیریں کی ہیں' لیکن ان کے حق میں گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے بغیر علم کے یا محض اپنی رائے سے تفسیر کر دی ہے' اور کھلی بات ہے کہ جو شخص محض اپنی رائے وخیال سے تفسیر کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے' ایک ایسی ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے' جس کا اسے کوئی علم نہیں' اور ایسی راہ چلتا ہے' جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا- اب اگر وہ کوئی تفسیر صحیح بھی کر جاتا ہے' تو بھی غلطی ہی میں پڑا رہتا ہے' کیونکہ سرے سے ہی غلط راہ چلا ہے- اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو جہل کی حالت میں لوگوں کے فیصلے کرنے بیٹھ جاتا ہے اور دوزخ میں جا گرتا ہے' اگرچہ اتفاق سے اس کا فیصلہ فی نفسہ درست بھی ہو- یہ ضرور ہے کہ صحیح فیصلے کی صورت میں جرم اس سے ہلکا رہے گا' اگر فیصلہ بھی غلط ہو!

قرآن حکیم سے استشہاد

یہ اصول قرآن مجید میں بھی ملتا ہے' دیکھیے بدکاری کا الزام لگانے والوں کو خدا نے جھوٹا قرار دیا ہے-

فرمایا:

فَاِذْلَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰئِکَ عِنْدَاللّٰهِ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ- (النور- ۲۴:۱۳)

''اگر (زنا کے الزام کے لیے) چار گواہ نہ لاسکیں تو الزام لگانے والے جھوٹے ہیں-''

پس شاہد نہ لانے والا بہتان تراش' جھوٹا ہے' اگرچہ فی نفسہ بدکاری کے مرتکب ہی پر الزام لگا رہا ہو' کیونکہ ایسی بات منہ سے نکالتا ہے' جو اس کے لیے جائز نہیں اور ایسی بات کہتا ہے' جس کا اسے علم نہیں' یا جسے ثابت نہیں کر سکتا- واللہ اعلم-

سلف صالحین کا احتیاط

اسی لیے سلف صالحین اسی تفسیر سے قطعی گریز کرتے تھے' جس کا علم نہیں ہوتا تھا- شعبہؒ کی روایت ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''کون زمین مجھے اٹھائے گی اور کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر کتاب اللہ میں ایسی بات کہوں' جس کا مجھے علم نہیں-''[1] امام ابوعبید ابراہیم تمیمیؒ

۱- تفسیر ابن جریر ص ۳۵ ج ۱-

سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ سے وفا کھۃ وابا (عبس) کے بارے میں سوال کیا گیا' جواب میں کہنے لگے "کون زمین مجھے اٹھائیگی اور کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا' اگر کتاب اللہ میں ایسی بات منہ سے نکالوں جس کا مجھے علم نہیں۔

نیز امام ابوعبید بن سلامؒ [1] ہی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ منبر پر تھے کہ پڑھا "وفا کھۃ وابا" پھر کہنے لگے "فاکھۃ تو ہم جانتے ہیں' مگر اب' کیا ہے؟ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگے" اے عمر! خواہ مخواہ کی کرید اسی کو کہتے ہیں!" امام عبد بن حمیدؒ سے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھے۔ ہم نے دیکھا ان کے کرتے کی پیٹھ پر چار پیوند لگے ہیں۔ پھر انہوں نے پڑھا "وفا کھۃ وابا" اور کہنے لگے "یہ اب کیا ہے"؟ پھر خود ہی کہا "اسی کو تکلف کہتے ہیں تو اگر نہیں جانتا' تو حرج بھی کیا ہے۔" [2]

ان روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے سامنے اب کی کیفیت سے بحث تھی' ورنہ ظاہر ہے' جانتے تھے کہ اب زمین کی ایک نبات ہے۔ اب کا نبات ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے:

فَاَنۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا وَّزَیۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا (عبس)

"پھر اگایا ہم نے اس میں اناج اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں اور باغ گھنے۔"

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ "ابن عباسؓ سے ایک ایسی آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر تم میں سے کسی سے کہا جاتا' تو ضرور جواب دیتا' مگر ابن عباسؓ نے کچھ کہنے سے صاف انکار کردیا۔ [3] اس روایت کی اسناد صحیح ہے' امام ابوعبیدؒ نے ابن ابی ملیکہؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے سوال کیا: اس ارشاد قرآنی میں دن سے کیا مراد ہے؟ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ (الم السجدہ) (ایسا دن جس کا اندازہ ہزار سال ہے) تو ابن عباسؓ

۱- امام ابوعبیدؒ قاسم بن سلام ہرویؒ تفسیر' حدیث' لغت' فقہ کے امام' اسلامی اقتصادیات پر آپ کی کتاب "لأموال" ہے۔ جو اپنے موضوع پر بہترین ہے۔ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ وفات ۲۲۳ھ۔ (ابن خلکان ص ۴۱۹ جلد ۱)

۲- اس مضمون کی روایات تفسیر ابن جریر میں بھی ہیں۔ ص ۵۹- ۶۰ ج ۳۰ طبع ثانی مصر۔

۳- تفسیر ابن جریر ص ۳۸ جلد اول۔

نے اس شخص سے الٹے سوال کیا اور یہ دن کونسا ہے: یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (الحاقہ)؟ اس پر وہ شخص کہنے لگا "میں پوچھ رہا ہوں تا کہ آپ مجھے بتائیں" ابن عباسؓ نے جواب دیا۔ "یہ دو دن ہیں، جن کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں کیا ہے، اور خدا ہی ان دنوں کی حقیقت بہتر جانتا ہے۔" (۱)

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ طلق بن حبیبؓ حضرت جندبؓ بن عبداللہ کے پاس آئے اور قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ جندبؓ نے جواب دیا "میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اگر مسلمان ہو، تو میرے پاس سے اٹھ جاؤ!!" (۲) (یا کہا کہ میرے پاس مت بیٹھو)

امام مالکؒ (۳) کہتے ہیں، یحییٰ بن سعید نے سعید بن المسیب کے بارے میں بیان کیا کہ جب ان سے کسی قرآنی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی، تو فرماتے "ہم قرآن کے معاملے میں کچھ نہیں کہتے۔" (۴) انہی یحییٰ بن سعیدؒ کا قول ہے کہ سعید بن المسیبؒ قرآن کے معلوم حصول پر ہی گفتگو کرتے تھے۔ (۵) عمرو بن مرہؒ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے سعید بن المسیبؒ سے کسی آیت کی تفسیر دریافت کی، تو کہنے لگے "قرآن کے بارے میں مجھ سے نہیں بلکہ اس شخص سے سوال کرو، جس کا دعویٰ ہے کہ قرآن کی کوئی بات بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔" یہ اشارہ عکرمہؒ کی طرف تھا۔ (۶) یزید بن ابی یزید کہتے ہیں کہ ہم سعید بن المسیبؒ سے حلال وحرام کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے، اس چیز کا انہیں سب سے زیادہ علم تھا، لیکن جب ہم کسی آیت کی تفسیر دریافت کرتے، تو اس طرح چپ ہو جاتے، گویا سنا ہی نہیں۔ (۷)

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ عبیداللہ بنؒ عمر کہا کرتے تھے۔ میں نے فقہاء مدینہ کو دیکھا ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر کے معاملے کو بہت بڑا سمجھتے تھے۔ یہ فقہاء سالم بن عبداللہؒ (۸) قاسم بن محمدؒ سعید بن المسیبؒ اور نافع دیلمی ہیں۔ (۹)

امام ابوعبیدؒ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن عروہ کہا کرتے تھے "میں نے کبھی نہیں دیکھا

۱- نیز تفسیر ابن جریر ص ۲۷ ج ۲۹ طبع ثانی مصر۔ ۲- تفسیر ابن جریر ص ۳۸ ج ۱۔

۳- امام مالک بن انسؒ مالکی مسلک کے موسس۔ وفات ۱۷۹ھ۔ ۴- تفسیر ابن جریر ص ۳۷ ج ۱۔

۵- ایضاً ص ۳۸ ج ۱۔ ۶- تفسیر ابن جریر ص ۳۸ ج ۱۔ ۷- ایضاً ص ۳۸

۸- سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب وفات ۱۰۶ھ (تہذیب ص ۴۳۳ جلد ۳ ۹- تفسیر ابن جریر ص ۳۷ ج ۱۔

کہ میرے والد' کتاب اللہ کی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوں۔" (١)

محمد بن سیرینؒ کا بیان ہے کہ میں نے عبیدہؒ سلمانی سے ایک آیت قرآنی کے بارے میں دریافت کیا' تو کہنے لگے "وہ لوگ چلے گئے' جو جانتے تھے کہ قرآن کس بارے میں نازل ہوا ہے' تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ خدا سے ڈرو' اور سیدھی راہ چلتے رہو!"

امام ابوعبیدؒ نے اپنی سند سے مسلم بن یسارؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "جب تم اللہ کے کلام میں گفتگو کرنے لگو تو ٹھہر کر دیکھو کہ اس کے آگے کیا ہے اور پیچھے کیا ہے۔"

ابراہیمؒ کہتے ہیں "ہمارے اساتذہ' تفسیر کرنے سے بچتے اور ڈرتے تھے۔"

شعبیؒ کہا کرتے تھے "بخدا کوئی آیت ایسی نہیں' جس کے بارے میں دریافت نہ کر چکا ہوں' لیکن تفسیر تو یہ خدا کی طرف سے روایت ہے۔"

یہی بات مسروق فرمایا کرتے تھے "تفسیر کرنے سے بچو اور ڈرو' کیونکہ اللہ کی طرف سے روایت ہے۔"

یہ اور ایسے ہی آثار صحیحہ کا مطلب یہ ہے کہ سلف صالحین بغیر علم کے تفسیر میں دخل نہیں دیتے تھے' لیکن جس شخص کو لغت و شرع کے اعتبار سے علم حاصل ہو' اس کے لیے تفسیر کرنے میں مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہی سلف سے تفسیریں بھی روایت ہوئی ہیں اور دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں۔ وہ بولتے تھے جب جانتے تھے' اور جس کا علم نہیں ہوتا تھا' اس پر سکوت اختیار کر لیتے تھے اور یہی سب پر واجب بھی ہے لیکن جس طرح بے علمی کی حالت میں سکوت واجب ہے' اسی طرح علم کی صورت میں سوال ہونے پر جواب دینا بھی واجب ہے' کیونکہ خدا فرماتا ہے:

لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (آل عمران ع :١٩)

"لوگوں کے لیے ضروری ہے' ظاہر کریں (قرآن کو) اور اسے چھپائیں نہیں۔"

کیونکہ متعدد طرق سے مروی حدیث میں ارشاد ہوا ہے "جس شخص سے علم کے بارے میں

ا۔ تفسیر ابن جریر ص ٣٨ ج ا۔

سوال کیا جاتا ہے، اور وہ علم کو چھپا جاتا ہے، قیامت کے دن اس کے منہ میں آتشیں لگام دی جائیگی۔ [1]ابن جریرؒ نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا "تفسیر چار طرح پر ہے، وہ تفسیر جسے عرب اپنی لغت کی راہ سے جانتے ہیں۔ وہ تفسیر، جس سے جہل کسی کو معاف نہیں۔ وہ تفسیر، جس کا علم علماء کو ہے، اور وہ تفسیر جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" [2]واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۔ مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوسری بحوالہ جامع ترمذی وغیرہ۔

۲۔ تفسیر ابن جریر ص ۳۴ طبع ثانی۔ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء۔

ہماری درسی مطبوعات

التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی

حدیث شریف کی مشہور ومعروف اور صحاح ستہ کی درس نظامی میں متداول ایک اہم کتاب۔ ماقبل کے تمام نسخوں سے صحت میں اعلیٰ۔ التعلیقات السلفیۃ طلبہ کو پیش آمدہ درسی اشکالات کے حل میں سب سے ممتاز، مسلک محدثین کی ترجمان اور معترضین کے دلائل کا مدلل وشافی سنجیدہ اور مسکت جوابات کی حامل۔

طباعت آفسٹ ○ کاغذ سفید ○ پشتہ والی جلد

حجۃ اللہ البالغہ

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مدارس عربیہ میں داخل نصاب وہ مشہور کتاب جس میں حدیث وفقہ، تصوف، حکمت تشریع اسرار وحقائق اور اخلاق و فلسفہ کے مباحث۔

آفسٹ کی اعلیٰ طباعت اور سنہری ومضبوط جلد کے ساتھ

بلوغ المرام

حدیث پاک کی مشہور و بابرکت درسی کتاب، علم حدیث کا ہر طالب علم جس سے اس فن شریف کی ابتدا کرتا ہے۔ طبع قدیم کو خوبصورت آفسٹ پر طبع کیا گیا ہے۔

شرح عقیدہ طحاویہ

امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف عقیدۃ الطحاویہ کی سب سے مقبول شرح جس میں ایمان، صفات باری تعالیٰ اور دیگر فرق اسلامیہ اور ان کے عقائد پر سیر حاصل بحث ہے۔

ابتدا میں الشیخ زہیر الشاویس حفظہ اللہ کی توضیح اور فضیلۃ الشیخ البانی رحمہ اللہ کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ سفید کاغذ اور مضبوط جلد کے ساتھ۔

دیوان حماسہ مترجم

درس نظامی اور ایم' اے عربی میں داخل نصاب عربی کی اہم کتاب جس میں متداول عربی حواشی کے علاوہ جدید اسلوب میں رواں اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ عربی کے مشکل الفاظ کی مختصر اور جامع تشریح بھی ہے۔

عمدہ طباعت کا اعلیٰ نمونہ: دبیز کاغذ اور پشتہ والی جلد

رد الاشراک

شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ کی اصل عربی تصنیف، تقویۃ الایمان (اسی کتاب کے حصہ عقائد) کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے قلم سے ہے، اور ''تذکیر الاخوان'' ردِ بدعت کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے رفیق جہاد کی قلم سے اصل عربی نسخہ کی طباعت کی سعادت المکتبۃ السلفیہ کے حصہ میں آئی یہ کتاب بعض ان مدارس میں داخل نصاب ہے جہاں ذریعہ تعلیم عربی زبان ہے۔

سبعہ معلقہ مترجم مع عربی شرح

درس نظامی کی اس معروف اور دقیق کتاب کے مشکل الفاظ کی شرح کے علاوہ اشعار کا اردو ترجمہ بھی ہے، نیز ہر معلقہ کے شروع میں اس کے متعلق مفید نوٹس کا اضافہ ہے۔ ''عربی زبان'' اس کی ''ابتدا'' اور ''اس میں تبدیلی'' جیسے کئی دیگر اہم عنوانات کا حامل ایک معلوماتی مقدمہ بھی شروع میں شارح علیہ الرحمۃ کی قلم سے ہے۔

سفید کاغذ۔ عمدہ طباعت۔ دورنگہ دبیز ڈسٹ کور

ابواب الصرف

علم صرف کی ابتدائی اور بنیادی کتاب، جسے پڑھے بغیر ابواب اور ان کے صیغوں سے طالب ناآشنا رہتا ہے۔ عمدہ طباعت اور سفید کاغذ

عمدۃ الاحکام من کلام خیر الانام ﷺ

چھٹی صدی ہجری کے محدث شیخ عبدالمغنی مقدسی رحمہ اللہ کا صحیحین میں آمدہ احادیث احکام کا ایسا انتخاب جو ہر دور میں مقبول عام رہا ہے۔ یہ کتاب بعض مدارس میں بلوغ المرام کی جگہ داخل نصاب ہے۔ پاکستان میں دیدہ زیب طباعت پر صحیح تر نسخہ۔

کتاب التوحید
مترجم۔ عربی۔ اردو
شیخ الاسلام محمد بن الوہاب ؒ

شیخ الاسلام ؒ نے اس کتاب میں توحید رب العالمین اور صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر آیات واحادیث کی مختصر، واضح اور آسان فہم شرح فرمائی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے بعض مدارس کی ابتدائی جماعتوں کے نصاب میں داخل ہے۔ صرف عربی، صرف اردو، عربی اردو مترجم

اصول الدین الاسلامی (عربی)

ارکان اسلام، ارکان ایمان، ایمان کی شاخیں اور سیرت نبویہ کی ابتدائی اور بنیادی معلومات کو آسان ترین سوال وجواب میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی بعض مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔

قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر

حافظ ابن حجرؒ کی اصول حدیث پر بے نظیر کتاب نخبۃ الفکر کو شیخ اسماعیل یمانی ۱۰۵۹ھ۱۱۸۲ام نے طلباء کی آسانی کے لیے نظم کر دیا تھا۔ ابتداء ہی میں اگر طلباء کو یہ رسالہ حفظ کرا دیا جائے تو منتہی کلاسوں میں ان کو آسانی رہتی ہے ہم نے آخری دو صفحوں میں اصطلاحات حدیث بہ زبان اردو بھی لگا دی ہیں۔

ہادی شرح زرادی

علم صرف کی منفرد اور پیچیدہ کتاب زرادی کی ایسی عمدہ شرح جس میں ابواب کی خاصیات اور صیغوں کی تعلیلات آسان تر الفاظ میں تفصیلی انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ سفید کاغذ اور عمدہ طباعت

نخبۃ الاحادیث

حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے اسلامی عقائد اور تعلیمات پر مشتمل یکصد (۱۰۰) احادیث کا یہ انتخاب کیا تھا جو اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے۔ آخر میں احادیث کے مشکل الفاظ کی تشریح کا حصہ الگ ہے۔ عمدہ کتابت کے ساتھ اردو شرح، دیدہ زیب جلی ٹائپ میں اعراب کے ساتھ متن اور آخر میں عمدہ انداز کے ساتھ اردو تشریح۔

المکتبۃ السلفیۃ
4 - شیش محل روڈ۔ لاہور
فون: 7237184 , 7230271 فیکس: 042-7227981